حکومتِ اسلامیؒ

حضرت امام خمینی رضوان اللہ علیہ

حکومت اسلامی

حصہ اول

و

حصہ دوم

از

مرجع عالیقدر آیت اللہ العظمیٰ
الامام السید روح اللہ الخمینی

ناشر:
کتاب مرکز
شمالی ناظم آباد۔ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

"ولایت فقیہ" ایک ایسا موضوع ہے جس کا تصور ہی موجب تصدیق بن جاتا ہے۔ استدلال کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہر شخص عقائد و احکام اسلام کو اجمالاً تو جانتا ہے۔ جب ولایت فقیہ کا تصور کرتا ہے تو فوراً اس کی تصدیق بھی ہو جائے گی اور خود بخود سمجھ لے گا کہ یہ بدیہی اور ضروری ہے۔ آج کل ولایت فقیہ پر زیادہ توجہ نہ ہونے کی علت مسلمانوں کی اجتماعی حالات اور حوزہ علمیہ کی وضع ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے جس کی طرف میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔

ابتدا میں راہ اسلام کی ترقی میں ملعون یہودی تھے ابتدا ہی سے افکار اسلامی کے خلاف ان کی تبلیغات ایسی شروع ہوئیں کہ جو اب تک باقی ہیں اور آپ خود دیکھ رہے ہیں اس کے بعد نوبت ایک ایسے گروہ کی آئی جو یہودیوں سے بھی بدتر تھے انہوں نے تین سو سال یا کچھ زیادہ مدت سے اسلامی حکومتوں میں اپنا نفوذ و رسوخ کا استعمال شروع کر دیا اپنے مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ان لوگوں نے ایسے حالات پیدا کرنے شروع کر دیئے اور ایسی راہیں ہموار کرنا شروع کر دیں کہ اسلام ہی فنا ہو جائے۔ مگر وہ لوگوں کو اسلام سے اس لئے دور نہیں کرنا چاہتے تھے کہ عیسائیت کی جڑیں مضبوط ہو جائیں کیونکہ درحقیقت ان کو نہ تو اسلام سے کوئی عقیدت تھی اور نہ ہی عیسائیت سے کوئی لگاؤ تھا، البتہ اس مدت میں اور صلیبی جنگوں کے درمیان اس بات کا احساس ضرور ہو گیا تھا کہ ان کے مادی منافع اور سیاسی اقتدار کے اثر د

نفوذ میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلام اور اس کے احکام ہیں لہٰذا اسلام کے خلاف تبلیغات اور سیسہ کاری شروع کر دیا۔

حلقہ ہائے روحانیت کے نکلے ہوئے مبلغین، یونیورسٹیوں، حکومت کے تبلیغی مشن، اشاعتی بینک، استعماری حکومتوں میں کام کرنے والے مستشرقین ان سبھوں نے حقائق اسلام میں تحریف کی ہے۔ حتیٰ ہے کہ زمانہ بہت سے لوگ بلکہ پڑھا لکھا طبقہ بھی اسلام کے حقائق سے ناواقف ہے اور اشتباہات کا شکار ہے۔

اسلام حق و عدالت کے خوگر مجاہدین کا دین ہے حریت پسندوں کا دین ہے استعماری طاقتوں کے خلاف جنگ کرنے والوں کا دین ہے۔ لیکن ان لوگوں نے اسلام کا تعارف ہی دوسری طرح سے کرایا۔ اور اب بھی کرا رہے ہیں۔ عام انسانی ذہنوں میں اسلام کا جو ناقص اور غلط تصور پیدا کیا گیا ہے، حوزہ ہائے علمیہ میں جو ناقص تصور پیش کیا جاتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کی انقلابی و حیاتی خاصیت کو اسلام سے چھین لیا جائے۔ مسلمانوں کے جذبۂ حریت و آزادی کو ختم کر دیا جائے۔ اس کی سامکی کوشش یہ ہے کہ مسلمان ایسی حکومت بنا نہ کرنے پائیں جو ان کے سعادت کی ذمہ دار ہو اور ایسی زندگی بسر کر سکیں جو شایان شان انسان ہے۔ مثال کے طور پر وہ تبلیغ کرتے ہیں کہ اسلام جامع دین نہیں ہے، اسلام زندگی کا مذہب نہیں ہے، اسلام کے پاس نظام زندگی نہیں ہے۔ طرز حکومت اور حکومتی قوانین نہیں ہیں۔ اسلام تو صرف حیض و نفاس کا مذہب ہے۔ کچھ اخلاقی تذکرے ہیں۔ مگر جامعہ کے ادارے اور روز مرہ زندگی کے لئے اسلام کے پاس کچھ نہیں ہے اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ان غیر واقعی تبلیغات کا اثر ہو رہا ہے۔ اس وقت عام انسانوں کا تذکرہ تو جانے دیجئے یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل افراد بہت سے اہل علم بھی اسلام کو نہیں سمجھے ہیں اسلام کے بارے میں غلط تصور رکھتے ہیں جس طرح لوگ کسی اجنبی مسافر کو نہیں پہچانتے اسی طرح اسلام کو بھی نہیں پہچانتے۔ اسلام دنیا میں مسافروں کی زندگی بسر کر رہا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اگر کوئی

اسلام کا صحیح تصور پیش کرنا چاہے تو لوگوں کو یقین نہیں آتا کہ اسلام میں یہ بھی ہو سکتا ہے۔؟
مگر استعمار زدہ افراد فوراً اس کے خلاف ہنگامہ کرنے لگتے ہیں۔

واقعی اسلام اور لوگوں کے پیش کردہ اسلام میں کتنا فرق ہے؟ اس کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ نیز قرآن و کتب احادیث اور رسالہ ہائے عملیہ میں کتنا فرق ہے؟ اس کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ دستور و احکام کا سرچشمہ قرآن و حدیث اور مجتہدین کرام کے رسالہ ہائے عملیہ میں جامعیت اور اجتماعی زندگی میں اثر انداز ہونے کے لحاظ سے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قرآن کی وہ آیات جن میں اجتماعیات کا درس دیا گیا ہے۔ ان آیات کی بہ نسبت جو عبادات سے متعلق ہیں۔ ننانوے فیصدی سے زیادہ ہیں۔

اسی طرح حدیث کی کتابیں کے پورے ایک دورے ہیں۔ جو تقریباً پچاس کتابوں پر مشتمل ہوتا ہے اور جس میں تمام احکام اسلام موجود ہیں۔ صرف تین چار کتابیں عبادات اور عبد و معبود کے مابین روابط پر مشتمل ہوتی ہیں، کچھ اخلاقی احکام بھی ہوتے ہیں ورنہ باقی پورے کا پورا دورہ اجتماعیات اقتصادیات حقوق سیاست و تدبیر جامعہ پر مشتمل ہوتا ہے۔

آپ حضرات جوان ہیں اور انشاء اللہ مستقبل میں اسلام کے لئے مفید ثابت ہوں گے۔ میں جو مختصر مطالب آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں، ان کو اپنی پوری زندگی کا وظیفہ بنائیے اور قوانین اسلام کو پہچنوانے میں باقاعدہ کوشش فرمائیے۔ آپ جو طریقہ مناسب سمجھیں تحریراً، تقریراً لوگوں کو بتائیے کہ اسلام اپنے دور ہی سے کتنے مشکلات سے گزرتا رہا ہے اور آج بھی اس کے کتنے دشمن ہیں اور اس کے لئے کتنی مصیبتیں ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ حقیقت ماہیت اسلام مخفی رہ جائے اور لوگ یہ سوچنے لگیں کہ عیسائیت کی طرح اسلام بھی حق و خلق کے درمیان رابطہ کے لئے صرف چند تخیلوں پر گننے والا دستور رکھتا ہے اور مسجد و کلیسا میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جس وقت مغرب کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس کے باشندے وحشیوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ امریکہ نیم وحشی سرخ پوشوں کی سرزمین تھی اور وسیع و عظیم سلطنتِ ایران و

روم۔ محکوم استبداد تھیں۔ طاقت وروں کی حکومت تھی، جمہوریت و قانون نام کی کوئی چیز نہ تھی، اس وقت خداوند عالم نے اپنے رسول کے ذریعہ ایسے قوانین بھیجے کہ ان کی عظمت دیکھ کر انسانیت مبہوت ہو گئی۔ اسلام تمام امور کے لئے قانون رکھتا ہے۔ حد یہ ہے کہ نطفہ منعقد ہونے سے پہلے اور مرنے کے بعد تک سارے احکام اسی طرح دامن اسلام میں محفوظ ہیں۔ جس طرح وظائف عبادی، اجتماعی، حکومتی قانون موجود ہیں۔ حقوق اسلام روز افزوں ترقی پانے والے جامع و کامل حقوق کا نام ہے۔ احکام قضاء معاملات، حدود و قصاص سے لے کر ملتوں کے درمیان کے روابط، صلح و جنگ کے مقررات، عمومی و خصوصی بین الملی حقوق پر اب تک جو کتابیں لکھی جا چکی ہیں وہ تو احکام و نظام اسلام کے ایک شمہ کے برابر ہیں کوئی ایسا حیاتی موضوع نہیں ہے جس کے لئے اسلام نے کوئی حکم نہ بیان کیا ہو۔

مخالفین اسلام نے ہماری نوجوان و روشن فکر نسل کے مسلمانوں کو یہ سمجھا کر اسلام سے منحرف کر دیا ہے کہ اسلام کے پاس کچھ نہیں ہے۔ اسلام چند حیض و نفاس کے احکام کا مجموعہ ہے۔ ملاؤں کو بس حیض و نفاس ہی پڑھنا چاہیئے۔ جو اہل علم نظریات و نظام حکومتی اسلام کی ترویج کی فکر نہیں کرتے اور اپنے قیمتی اوقات کو برباد کرتے ہیں اور فصول اسلام کو فراموش کر بیٹھے ہیں وہ تو اس قسم کے اعتراضات اور حملوں کے شکار ہو گئے ہیں۔ لیکن سچ بتائیے کیا ساری خطا مخالفین اسلام کی ہی ہے؟ کیا ہمارے علماء کی بھی خطا نہیں ہے؟ مخالفین نے اپنے سیاسی و اقتصادی اغراض کے ماتحت چند سالوں سے اس کی بنیاد رکھی ہے اور حوزہ ہائے علمیہ کی کمزوری و اہمال کی وجہ سے ان کی ہمت افزائی ہوئی ہے۔ ہمارے

۱ط۔ یہ کتاب سرکار آیت اللہ العظمیٰ علامہ روح اللہ خمینی مدظلہ کے ان تقریرات کا مجموعہ ہے، جو انہوں نے حوزہ علمیہ نجف اشرف میں طلاب کے سامنے ارشاد فرمائی ہیں۔
۱۲ مترجم

علماء نے نادانستہ طور پر ان کے مقاصد کی مدد کی ہے اور اسی لئے آج حالات سنگین تر ہو گئے ہیں۔
کبھی یہ کہہ کر وسوسے پیدا کرتے ہیں کہ احکام اسلام ناقص ہیں، مثلاً دادرسی اور قضاوت کے قانون جیسا کہ ہونا چاہئے اسلام کے پاس نہیں ہے۔ اسی قسم کی تبلیغ اور وسوسے کی وجہ سے انگریزوں کے پٹھو اپنے آقاؤں کی حسب ہدایت اساس مشروطہ کا مذاق اڑاتے ہیں اور لوگوں کو کچھ ایسے شواہد و اسناد جو ان کے پاس ہیں ان کے ذریعہ سے دھوکہ دیتے ہیں، اسی طرح اپنے سیاسی جرائم کی ماہیت سے لوگوں کو غافل بنا دیتے ہیں۔ مشروطہ کی ابتداء میں جب قانون بن رہا تھا اور اساسی قانون کو مدون کرنے کا ارادہ کیا جا چکا تھا تو بلجیک کی سفارت سے بلجیکی مجموعہ قانون کو قرض لیا گیا اور چند آدمیوں نے جن کا میں نام لینا اس وقت مناسب نہیں سمجھتا ہوں اسی کے لحاظ سے قانون اساسی کو تحریر کیا اور اس کی خامیوں کو فرانس اور انگریز کے قانون سے دور کیا اور قوم و ملت کو دھوکا دینے کے لئے کچھ اسلامی احکام بھی شامل کر دیئے ان لوگوں نے قوانین کو اخذ کر کے ہماری ملت کے سر تھوپ دیا۔ بادشاہی ولیعہدی اور اسی قسم کے دوسرے قانون کہیں اسلام سے لئے گئے ہیں؟ یہ سب قانون الٰہی کے مخالف ہیں اور حکومت اسلامی کو ختم کرنے والے ہیں۔ یہ سلطنت و ولی عہدی وہی تو ہے جس کو مدتوں پہلے اسلام نے ختم کر دیا تھا۔ صدر اسلام میں ایران، مشرقی روم، مصر، یمن وغیرہ سے اس کے بساط کو اسلام لپیٹ چکا تھا حضور اکرمؐ نے بادشاہ روم ہرکولیس بادشاہ ایران کو جو خطوط تحریر فرمائے تھے اس میں ان سے کہا تھا شاہنشاہی طرز حکومت کو ختم کر دو، خدا کے بندوں کو اپنی پرستش پر آمادہ مت کرو۔ لوگوں کو خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف آمادہ کرو۔ —
سلطنت و ولی عہدی وہی باطل و منحوس طرز حکومت ہے جس کے خلاف سید الشہداء نے کربلا میں جنگ کی تھی۔ یزید کی ولی عہدی کو قبول نہیں فرمایا۔ اس کی سلطنت کا اعتراف نہیں کیا۔ تمام مسلمانوں کو بھی یزید کے خلاف آمادہ کیا، اپنا گھر بار لٹا یا شہادت قبول کر لی مگر یزید کی طرز حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔ سلطنت و ولی عہدی کا اسلام سے کیا ربط؟ اسلام میں بادشاہت

ولی عہدی نہیں ہے۔ اگر اسلام کے نقص کا یہی مطلب ہے تو واقعی اسلام ناقص ہے اور یہ نقص ایسا ہی ہے جیسا کہ اسلام میں شراب خواری، سود خواری کے طریقے نہیں بتائے گئے۔ کیونکہ یہ ساری چیزیں اسلام کی نظر میں حرام ہیں۔ استعماری قوتوں کے پٹھو حاکم بلاد اسلامی میں جو اس قسم کے احکام رواج دینا چاہتے ہیں، فریبی لوگ اسلام کو ناقص سمجھتے ہیں اور وہ لوگ مجبور ہیں۔ وہ اس قسم کی چیزوں کے لئے انگریزی، فرانسیسی، بلجیک اور آخر میں امریکہ کے قانون سے مدد لیں اور اسلام کا اس قسم کے بے ہودہ و ناجائز کاموں کے لئے راستے متعین کرنا اسلام کا کمال ہے یہ تو اسلام کے لئے باعث فخر ہے

انگریزوں کی استعماری حکومت نے مشروطہ کے آغاز میں جو تمہید رکھی تھی۔ اس کے دو مقصد تھے۔ ایک تو اسی وقت ظاہر ہو گیا کہ روس کا اثر و نفوذ ایران سے ختم ہو جائے اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ مغربی قوانین نافذ کر کے احکام اسلام کو میدان عمل سے خارج کر دیا جائے ہماری اسلامی حکومت کے لئے اجنبی قوانین کے ایجاد نے بہت زیادہ مشکلات پیدا کر دیئے عدلیہ میں با خبر حضرات بہت سے ایسے ہیں جن کو عدالت کے طریقہ کار سے بہت شکایت ہے اگر کوئی بیچارہ ایرانی عدالت یا اس قسم کے دوسرے ممالک کی عدالت میں اپنا حق حاصل کرنا چاہے تو اس کے لئے عمر نوحؑ درکار ہے۔ ایک بہت ہی تجربہ کار قسم کے وکیل جن کو میں نے اپنی جوانی میں دیکھا تھا، کہا کرتے تھے کہ کسی بھی دو فریق کے مقدمات کو عدالت کے قوانین کی بنا پر تمام عمر چلا سکتا ہوں اور میرے بعد میرا لڑکا بھی اپنی عمر بھر چلا سکتا ہے۔ آج کل کا وقت واقعی ایسا ہی ہے۔ عدلیہ کے موجودہ قوانین سوائے زحمت، اپنے کام و زندگی سے باز رہنے، غیر شرعی طریقہ سے استفادہ کرنے کے علاوہ کوئی نتیجہ نہیں رکھتے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی اپنے واقعی حق کو حاصل کرے اور اب تو جھگڑوں کے فیصلہ کے لئے تمام جہات کی رعایت ضروری ہے۔ محض یہ کوشش کرنا کہ حق حقدار تک پہنچ جائے آیا صرف اسی پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ لوگوں کا کام برباد نہ ہو، کیفیت زندگی میں خلل نہ پڑنے پائے، مدعی

دورِ حاضرہ کی مشغولیتوں کا لحاظ رکھا جائے یہ سب چیزیں دیکھنی ہوں گی۔ یعنی جتنی جلدی اور سادہ طریقے سے صحیح کام ہو وہی بہتر طریقہ ہے۔ پہلے جن جھگڑوں کو قاضی شرع دو یا تین دن کے اندر حل کر دیا کرتے تھے وہ آج کل بیس سال میں بھی فیصلہ نہیں ہو پاتے اور مقدمہ کے فیصلہ ہونے تک جوانوں، بڈھوں، حاجت مندوں کا روزانہ صبح سے شام تک عدالتوں کا چکر لگتا رہا۔ راستوں میں چیزوں کے پشت پر گرد اور دھول پڑی رہنا ضروری ہے۔ مگر پھر بھی پتہ نہیں چلتا کہ جھگڑا کیا۔ ؟ البتہ چالاک اور رشوت دینے والے افراد اپنے کام کو چاہے وہ ناحق ہی ہو بہت جلد ختم کرا لیتے ہیں۔ ورنہ ساری زندگی نجات ملنی مشکل ہے۔

یہ لوگ اپنے اخبارات اور کتابوں میں لکھا کرتے ہیں۔ "اسلام میں جرائم کی سزا بہت سخت ہے۔" ایک بے حیا نے یہاں تک لکھ دیا "سخت سزا مقرر ہونے کی وجہ ہے اور یہ بدوؤں کی سختی ہے جو اس قسم کے احکام نافذ کئے گئے"، مجھے تعجب ہوتا ہے آخر ان لوگوں کا انداز فکر کیا ہے؟ نادیدہ نظر کیا ہے؟ ایک طرف تو دس گرام ہیروئن کی خاطر متعدد اشخاص کو یہ کہہ کر قتل کر دیتے ہیں کہ یہ قانون ہے کچھ دنوں پہلے دس آدمی اور ابھی کا آخری دور میں ایک آدمی کو دس گرام ہیروئن کی خاطر قتل کر دیا گیا۔ اتفاق سے یہ اطلاع مجھے مل گئی۔ انسانیت کے خلاف قوانین جب لوگ بناتے ہیں تو اس میں سختی نہیں ہوتی کیونکہ یہ کہہ دیتے ہیں فساد روکنے کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے۔ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ لوگوں کو ہیروئن بیچنا چاہئے، لیکن مجبور سمجھوں گا کہ اس کی سزا یہ نہ ہونی چاہئے۔ اس کی روک تھام ضروری ہے۔ مگر سزا مناسب ہونا چاہئے لیکن اسلامی قاعدے سے اگر شراب خوار کو اسی (۸۰) تازیانے مارے جائیں تو یہ سزا سخت ہے لیکن دس گرام ہیروئن کے لئے سزائے قتل سخت نہیں ہے۔ حالانکہ معاشرہ میں زیادہ تر بربادی شراب خوری ہی کا نتیجہ ہوتی ہیں، راستوں کے ایکسیڈنٹ، خودکشی، وارداتِ قتل، قسم قسم کے جرائم زیادہ تر شراب خوری کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ امریکہ میں سیاہ ہیروئن کے عادی

ہو جاتے ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود شراب خوری اس لئے بری نہیں ہے کہ مغرب میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔ اسی لئے آزادانہ شراب کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ اگر فحشات (برائیاں) مثلاً شراب خوری کو روکنے کے لئے اسی (۸۰) کوڑے کی سزا اور زنا روکنے کے لئے سو تازیانے معین کئے جائیں یا شوہر دار عورت کے زنا پر اور بیوی والے شخص کے زنا پر رجم کا حکم دیا جائے تب تو واصیبتا اور واویلا مچایا جاتا ہے اور عرب کی مزاجی کیفیت کہا جاتا ہے، حالانکہ اسلام کے جزائی احکام ایک بہت بڑی قوم کو مفاسد سے بچانے کے لئے آئے ہیں۔

آج جو برائیوں کی اتنی کثرت ہو گئی ہے، نسلیں غیر محفوظ ہیں، جوانوں کے اخلاق تباہ ہیں یہ سب انہی عیاشیوں کا نتیجہ ہے جس کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے جاتے ہیں۔ اب اگر جوانوں کی نسلوں کو محفوظ اور ان کے اخلاقیات کو سدھارنے کے لئے کسی مجرم کو اسلام مجمع عام میں سزا دینے کا حکم دے دے تو کیا یہ احکام اسلام کی سختی ہے؟ کیا عقلاً ایسا ہونا چاہئے تھا۔ ؟

اور دوسری طرف ملاحظہ فرمائیے۔ تقریباً دس سال پہلے ویت نام میں امریکہ نے جو کشتوں کے پشتے لگا دیے ہزاروں بے گناہوں کا خون بہایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے نہ سختی ہے اور اگر اسلام لوگوں کو ایسے قوانین کا پابند کر دے جو انسان کے لئے مفید ہیں۔ اور دفاعی جنگ کا حکم دے دے اور چند فاسد اور مفسد قسم کے لوگوں کو قتل کر دے تو یہ محل اعتراض ہے کہ یہ جنگ کیوں ہوئی؟ یہ تو ظلم ہے، بربریت ہے، وغیرہ وغیرہ... یہ سب چند صدی پہلے کا پروگرام ہے جس پہ رفتہ رفتہ عمل کر کے مغرب والے اپنے مقاصد میں کامیاب ہو رہے ہیں۔

شروع شروع جب کسی جگہ کوئی خود سر کھولا گیا اور ہم نے سکوت اختیار کیا، ہم جیسے دوسروں نے بھی غفلت برتی اور مخالفت نہیں کی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ

ان کی تعداد بہت گھٹ گئی اور اب یہ عالم ہے کہ کوئی قصبہ یا دیہات ایسا نہیں ہے جہاں ان کے مبلغین نہ ہوں اور وہ ہمارے بچوں کو نصرانی یا بے دین نہ بنا رہے ہوں۔

ان لوگوں کا پروگرام ہی یہ ہے کہ ہم کو پسماندہ رکھیں اور ہماری زبوں حالی باقی رہے تاکہ ہمارے سرمایہ سے ہمارے زیر زمین خزانوں پٹرول سے ہماری قوتوں سے فائدہ حاصل کریں۔ ہم کو بیچارگی کی زندگی بسر کرنی پڑے۔ ہمارے غرباء اسی بدبختی و زبوں حالی میں مبتلا رہیں اور لوگوں نے جو نقشہ بنایا تھا۔ وہ استعماری تھا کہ اس کے اثر سے ہمارے جو رہنما علمی و دینی بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ چنانچہ اگر کوئی حکومت اسلام کے بارے میں گفتگو کرنا چاہے تو تقیہ کرے اور استعمار زدہ لوگوں کی مخالفت برداشت کرے۔ چنانچہ جب اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تو ایرانی سفارت خانے کے عمال میں بڑا ہیجان برپا ہوا اور وہ حرکت مذبوحانہ کرنے لگے اور اپنے کو پہلے سے بھی زیادہ ذلیل و رسوا کیا۔

اب تو حالت یہ ہو گئی ہے کہ فوجی لباس کو خلاف مروت و عدالت سمجھا جانے لگا ہے۔ حالانکہ ہمارے ائمہ خود بھی سپاہی تھے، سردار تھے، جنگی تھے، جنگوں میں جیسا کہ تاریخ کے مطالعے سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ فوجی لباس پہن کر شرکت کرتے تھے اور مقابل کو قتل کرتے تھے۔ خود امیر المومنینؑ اپنے سر پر خود جسم مبارک پر زرہ اور شمشیر حمائل فرماتے تھے۔ امام حسنؑ و امام حسینؑ بھی یونہی کرتے تھے، زمانے نے فرصت نہ دی ورنہ حضرت امام محمد باقرؑ بھی اسی طرح ہوتے اور اب حالت یہ ہو گئی ہے کہ سپاہیانہ لباس خلاف عدالت سمجھا جاتا ہے۔ ہم اگر حکومت اسلامی بنانا چاہیں تو اسی عمامہ اور عبا قبا میں بنائیں ورنہ خلاف مروت و عدالت ہوگا۔ یہ سب اجنبیوں کی تبلیغ کا اثر ہے جس نے آج ہم کو اس نوبت پر پہنچا دیا ہے اور صد حیف ہے کہ ہم اگر کہیں کہ اسلام بھی حکومتی قواعد رکھتا ہے تو اس کے لئے دلیل و برہان سے ثابت کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اجنبیوں نے اپنی تبلیغات اور مبلغین کے واسطے سے اس کی بنیاد رکھی۔ اسلام کے قضائی اور سیاسی قانون کو نافذ ہونے سے روک کر اس کی جگہ مغربی

قوانین نافذ کر کے اسلام کو چھوٹا اور اس کو اسلامی معاشرہ سے خارج کرنا چاہتے ہیں۔

ابھی تک تو استعمار کی خرابیوں کا ذکر کیا؟ لیکن ذرا اپنے معاشرہ کے بعض افراد کا بھی تذکرہ کروں۔ اُن کی خرابی یہ ہے کہ استعماری حکومتوں کی علمی و صنعتی ترقی دیکھ کر یہ لوگ خود باختہ ہو گئے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ اپنے عقائد و قوانین کو الگ کر کے ہی علمی و صنعتی ترقی کی جا سکتی ہے۔ مثلاً مغربی دنیا کے لوگ چاند تک پہنچ گئے" ان کو خیال ہوا کہ ہم بھی اپنے عقائد چھوڑ کر ان کے عقائد اختیار کر لیں تو ایسے ہو سکتے ہیں، لیکن ذرا سوچئے چاند پر جانے کو قوانین اسلامی سے کیا ربط؟ اگر ایسا ہوتا تو چاند تک جانے والی حکومتوں کے عقائد میں جو شدید اختلاف ہے دیکھو کہ علمی و صنعتی ترقی میں ان کا مقابلہ کر رہے ہیں اور تسخیر فضا میں ان کے ساتھ کیونکر شریک ہو سکتیں اُن کے ہاں بھی تو اختلاف عقائد ہے کہ نہیں؟ یہ دو مریخ پر جانا چاہتے ہیں … کہکشاؤں میں جانا چاہتے ہیں۔ اس سائنسی ترقی کے باوجود یہ لوگ نہ تو فضائل اخلاقیات سے متصف ہیں اور نہ اپنی اجتماعی مشکلات کو حل کرنے پر قادر ہیں کیونکہ اُن کی اجتماعی مشکلات و بدبختیوں کا علاج اعتقادی و اخلاقی قدروں میں پوشیدہ ہے۔ مادی طاقت میں ترقی یا تسخیر فضا سے اُن کا حل نہیں تلاش کیا جا سکتا۔ ثروت و قدرت مادی و تسخیر فضا کے لئے اسلامی ایمان و اعتقاد و اخلاق کی ضرورت ہے تاکہ تکمیل میں توازن باقی رہے اور انسانی خدمت انجام دی جا سکے نہ کہ ہمارے لئے جان بن جائے۔ ہمارے پاس ایسا اعتقاد، ایسے اخلاقیات اور ایسے قوانین ہیں اس لئے اگر دنیا کہیں جائے یا کوئی چیز بنا لے تو اس کی وجہ سے ہم کو ایسے دین و قوانین سے دست بردار نہیں ہونا چاہئے۔ جو انسانی زندگی کی ضمانت اور دنیا و آخرت میں حال بشر کا مایۂ افتخار ہے۔

ہمارے دشمن اور استعمار گروں کی برابر تبلیغ ہے: "اسلام کوئی حکومت نہیں رکھتا تشکیلات حکومت اس کے پاس نہیں ہے اور بالفرض اگر ہے بھی تو مجری نہیں ہے۔ اسلام محض قانون بنانے والا ہے" ظاہر ہے اس قسم کی تبلیغات مسلمان کو سیاست اور اما[illegible]

سے وجود رکھنے کے لئے اُن کے پروگرام کا ایک جزو ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کے بعض افراد بھی اس سے متاثر ہیں۔ حالانکہ اُن کو متاثر نہ ہونا چاہیئے۔ مخالفین کے نعرے ہمارے بنیادی عقائد کے مخالف ہیں۔ ہمارا تو عقیدہ ہے کہ پیغمبرؐ کو ایک نائب متعین کرنا چاہیئے اور حضورؐ نے ایسا کیا بھی ہے۔ لیکن کیا تعیینِ خلیفہ صرف بیانِ احکام کے لئے ہے۔ بیـ بیانِ احکام کے لئے خلیفہ کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو خود پیغمبرؐ احکام کو بیان کر کے تمام احکام کو ایک کتاب میں لکھ کر لوگوں کے حوالے کر دیتے کہ اسی پر عمل کر لیا کرو مگر پیغمبرؐ نے ایسا نہیں کیا، جس کا مطلب یہی ہے کہ عقلاً تعیینِ خلیفہ حکومت کے لئے ہے۔ ہم کو اجرائے قانون کے لئے خلیفہ کی ضرورت ہے قانون کے لئے اجراء کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ساری دنیا میں یہی چلتا ہے، صرف قانون کا بنا دینا سعادتِ بشر کی ذمہ داری پوری نہیں کر سکتا۔ وضعِ قانون کے بعد اجرا کرنے والوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی حکومت یا تشریع میں اجراء کرنے والوں کا بھی انتظام کیا۔ آخر "ولی الامر" اجراءِ قانون کرنے والا ہی تو ہوتا ہے اگر پیغمبرِ اسلامؐ اجرائے قانون کرنے والے کا تعیین نہ کرتے تو کارِ رسالت نامکمل رہ جاتا۔ اجرائے احکام کی قوتِ مجریہ کی ضرورت واہمیت ہی سبب بنی ہے کہ تعیینِ جانشین اتمامِ رسالت کا مرادف ہو جاتا ہے۔ رسولِ خدا کے زمانے میں فقط قانون ہی نہیں بیان کیا جاتا تھا بلکہ خود آں حضرتؐ قانون کا اجراء بھی فرماتے تھے۔ چور کا ہاتھ کاٹتے تھے۔ حد جاری فرماتے تھے، رجم کرتے تھے۔ خلیفہ کا بھی یہی کام ہے پس خلیفہ کا کام وضعِ قانون نہیں ہے۔ بلکہ خدا و رسولؐ کے احکام کا اجراء کرنا ہے۔ اس لئے تشکیلِ حکومت ضروری ہے۔ اور تشکیلِ حکومت کی ضرورت کا اعتقاد ولایت کے جزئیات میں سے ایک جزء ہے اسی لئے تشکیلِ حکومت کے لئے بھی کوشش کرنی چاہیئے۔ ذرا توجہ کیجئے۔ مخالفین نے جس طرح اسلام کی غلط تبلیغ کی ہے۔ آپ کا فریضہ ہے کہ اسلام کی اور ولایت کی صحیح تبلیغ کریں اور لوگوں کو بتائیں کہ ہم ولایت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ نیز رسولؐ نے جو تعیینِ خلیفہ کیا خدا نے اپنے نبیؐ کو

تعیینِ جانشین اور مسلمانوں کے لئے ولی امر معین کرنے کا حکم دیا۔ ہم اس پر عقیدہ رکھتے ہیں لہٰذا ہمیں تشکیلِ حکومت کی ضرورت پر بھی عقیدہ رکھنا چاہیئے اور ہمیں ایسی حکومت کے قیام کی کوشش کرنی چاہیئے۔ حکومتِ اسلامی کی تشکیل کی ضرورت کی راہ میں مبارزہ اعتقادِ ولایت کا لازمہ ہے۔ آپ کا فریضہ ہے کہ قوانینِ اسلام اور اس کے فوائد کو لکھیں چھاپیں۔ یہ نہ بھولئے کہ حکومت اسلامی کی ذمہ داری آپ کے سر پر ہے۔ اپنے پر بھروسہ کیجئے اور یقین رکھئے کہ آپ اپنے مشن میں کامیاب ہوں۔ استعماری قوتوں نے تین چار سو سال پہلے زمین ہموار کی تھی، انھوں نے صفر سے شروع کیا تھا آج اس منزل تک پہنچے ہیں، ہم بھی صفر سے شروع کریں، چند مغرب زدہ اور استعماری پٹھوؤں سے خوف زدہ نہ ہوں، انشاء اللہ ہم بھی کبھی مقصد تک پہنچیں گے۔

لوگوں میں اسلام کی تبلیغ کیجئے تاکہ جوانوں کی یہ غلط فہمی نہ ہو کہ علماء تو نجف اشرف کے گوشے میں بیٹھ کر صرف حیض و نفاس کے احکام پڑھتے ہیں، ان کو سیاست سے کیا ربط؟ دیانت کو سیاست سے الگ ہونا چاہیئے۔ یہ نعرہ کہ "دیانت کو سیاست سے الگ ہونا چاہیئے اور علمائے اسلام کو امورِ اجتماعی و سیاسی میں دخل نہیں دینا چاہیئے" استعمارگروں اور بے دینوں کا مقولہ ہے، کیا پیغمبرِ اسلامؐ کے زمانے میں دیانت سیاست سے الگ چیز تھی؟ کیا اس زمانے میں علماء الگ تھے، سیاسی لیڈر الگ تھے؟ کیا خلفائے حق، یا خلفائے باطل کے زمانے میں دونوں چیزیں الگ الگ تھیں۔ کیا حضرت علیؑ کے زمانے میں سیاست دیانت سے جدا تھی؟ یہ تو استعمارگروں نے اور اُن کے پٹھوؤں نے یہ پروپیگنڈہ کر رکھا ہے تاکہ دین کو امورِ دنیا کے تصرف سے اور جامعہ مسلمین کے تنظیم سے الگ رکھیں۔ جب یہ ہو جائیگا تو یہ لوگ عوام پر مسلط ہو جائیں گے اور ہماری دولت کو ہتھیا لیں گے۔ ان کا صرف یہی مقصد ہے۔

اگر ہم مسلمان صرف نماز و دعا میں مشغول رہیں تو استعمارگر اور ان کی حکومتیں ہم سے کوئی تعلق نہ رکھیں گی اور نہ ہمارے درپے آزار ہوں گی۔ آپ چاہے جتنی اذان کہیے نماز پڑھئے اور یہ [illegible] کو لوٹ لے جائیں، آپ حوالہ خدا کر کے خاموش ہو جائیے۔ لاحول ولا قوۃ

اگر ہماری منطق یہی رہی تو لوگوں کو ہم سے کوئی واسطہ ہی نہ ہوگا۔ اس کم بخت — نظامی بخشیں زمان اشتغال عراق — نے بھی تو پوچھا تھا کہ یہ جو اذان کہی جاتی ہے اس سے انگلستان کی حکومت کو تو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا؟ کہا گیا "نہیں"۔ تو اس نے کہا "چھوڑ دو جو جی چاہے"

اگر آپ استعمار گروں کی سیاست سے کوئی واسطہ نہ رکھیں اور اسلام کے صرف ان ہی احکام کو جن کو ہمیشہ سے پڑھتے آئے ہیں، پڑھئے۔ اس سے آگے نہ بڑھئے تو وہ لوگ آپ سے کوئی واسطہ نہ رکھیں گے۔ آپ دل بھر کر نماز پڑھئے۔ وہ تو آپ کا تیل چاہتے ہیں، آپ کی نماز سے ان کو کیا غرض؟ وہ ہمارا تعاون چاہتے ہیں۔ ہماری حکومتوں کو اپنے مال کا بازار بنانا چاہتے ہیں۔ اسی لئے ان کے بنائے ہوئے حاکم ہم کو صنعتی ترقی سے روکتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں ہم آدمی نہ بنیں۔ وہ آدمی سے ڈرتے ہیں۔ اگر ایک آدمی پیدا ہو گیا تو اس سے ڈریں گے کیونکہ خطرہ یہ ہے کہ یہ شخص اپنا جیسا دوسرا بھی بنائے گا۔ اور ایسی بنیاد رکھ جائے گا جس سے ان کی حکومت درہم برہم ہو جائے۔ اسی لئے جب کبھی آدمی پیدا ہوا اس کو یا تو قتل کر دیتے ہیں یا جیل میں سڑا دیتے ہیں یا ملک بدر کر دیتے ہیں یا سولی چڑھا دیتے ہیں۔ سیاسی ہونے کا الزام رکھ کر ایذائیں دیتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ ملا ہے، یہ سیاسی ہے۔ آخر کیا پیغمبر بھی سیاسی تھے۔

یہ اسلام دشمنوں کی تبلیغ آپ کو سیاست سے دور رکھنے اور امور اجتماعی میں دخل نہ ہونے دینے کے لئے کی جاتی ہے تاکہ آپ خائن حکومتوں اور ملت کی ضد سیاستوں کا مقابلہ نہ کریں۔ ان کا جو جی چاہے کریں۔ کوئی ان کو روکنے والا نہ ہو۔

تشکیلِ حکومت کی ضرورت

کسی بھی قانون کا مجموعہ معاشرہ کی اصلاح کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ مجموعۂ قانون اسی وقت انسان کی اصلاح و سعادت کا ذمہ دار ہوتا ہے جب اس مجموعہ کے ساتھ عمل کرنے والی طاقت بھی ہو۔ اسی لئے خداوند عالم نے قرآن کے ساتھ نبیؐ یا مقام نبیؐ کا بھی التزام رکھا۔ حضور سرور کائنات نے ابلاغ وحی و بیان تفسیر و عقائد و احکام اسلام کے ساتھ ساتھ اجرائے احکام و نظام اسلام کی برقراری کا بھی انتظام فرمایا تھا۔ یہ سب اس لئے تھا کہ "حکومتِ اسلامی" کا وجود ہو جائے۔ اپنے زمانے میں حضورؐ نے بیان قانون کے ساتھ اس پر عمل بھی کیا۔ حضورؐ کے بعد خلیفہ کا بھی یہی فرض ہے۔ پیغمبر اسلام نے صرف عقائد و احکام کے بیان کے لئے ہی نائب معین فرمایا تھا بلکہ اس کے ساتھ اجرائے احکام و تنفیذ قوانین بھی مقصود تھا۔ تعیین خلیفہ اتنا اہم فریضہ تھا کہ بغیر اس کے کارِ رسالت نامکمل رہ جاتا۔ کیونکہ رسولِ خداؐ کے بعد مسلمانوں کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو اجرائے قانون کر سکے، اسلام کے نظام کو معاشرہ میں برقرار رکھ سکے۔

دنیا کے تمام ملکوں میں یہی قاعدہ ہے کہ صرف قانون بنا دینا کافی نہیں ہوا کرتا۔ کا وجود ہو جائے۔ اپنے زمانے میں حضورؐ نے بیان قانون کے ساتھ اجرائے احکام و تنفیذ قوانین بھی مقصود تھا۔ تعیین خلیفہ اتنا اہم فریضہ تھا کہ بغیر اس کے کار رسالت نامکمل ہو جاتا۔ کیونکہ رسولِ خداؐ کے بعد مسلمانوں کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو اجرائے قانون کر سکے اسلام کے نظام کو معاشرہ میں برقرار رکھ سکے۔

دنیا کے تمام ملکوں میں یہی قاعدہ ہے کہ صرف قانون بنا دینا کافی نہیں ہوا کرتا۔

صرف وضعِ قانون بشری سعادت کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ وضعِ قانون کے بعد "قوتِ مجریّہ" کا ہونا ضروری ہے۔ جو عدالتوں کے احکام و قوانین کا نفاذ کر سکے۔ اور اس کے عادلانہ فیصلوں کا فائدہ لوگوں کو پہنچا سکے۔ اسی لئے اسلام نے وضع و قانون کے ساتھ "اولی الامر"¹ کا بھی انتظام فرمایا۔

رسولِ خدا کا رویّہ و طریقہ

حضورِ اکرمؐ کا رویّہ بھی حکومتِ اسلامی کی ضرورت تشکیل پر دلالت کرتا ہے کیونکہ آپ نے پہلے خود ہی حکومت کی تشکیل فرمائی اور قوانین کا نفاذ بھی فرمایا۔ اطراف و جوانب میں والی بھیجے، قضاوت فرمائی، قاضی معین کئے، دوسرے قبائل اور بادشاہوں کے پاس دور و نزدیک ہر جگہ اپنے سفیر روانہ فرماتے، صلح نامے اور معاہدے کئے۔ غرض کہ حکومت کے تمام طریقے استعمال فرمائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حکمِ خدا سے اپنے بعد کے لئے حاکم معین فرمایا جب خدا کسی رسول کے بعد حاکم معین کرتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہوا کرتا ہے کہ رسول کے بعد حکومت بھی ان کے لئے ضروری ہے۔ پیغمبرِ اسلام اپنی وصیت میں فرمانِ الٰہی کے پہنچانے کے ساتھ تشکیلِ حکومت کا بھی اعلان فرما رہے ہیں۔

نفاذِ احکام کی دائمی ضرورت

اس میں کوئی شک نہیں کہ نفاذِ احکام کی ضرورت صرف زمانِ پیغمبرؐ تک محدود

اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم میں "اولی الامر" کی اطاعت کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ رسولِ اسلامؐ کے بعد ولی امر ائمہ معصومین ہیں جن کے متعلق ہیں عقائد و احکام و نظامِ اسلام کی لوگوں کے لئے تشریح و بیان اور مسلمانوں کے معاشرہ میں نظامِ اسلام کو برقرار رکھنا اور اجرائے احکام۔ اس کے علاوہ دنیا کے ہر قوم میں دعوت و تبلیغ اسلام کی ترویج و تبلیغ بھی ان کا وظیفہ ہے۔ ائمہ معصومین کے بعد فقہائے عادل ان مقامات کے عہدہ دار و ذمہ دار ہیں۔

نہیں تھی بلکہ رسول کے بعد بھی اس کی ضرورت تھی اور خود قرآنی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ احکامِ اسلام کسی زمانے یا مکان تک محدود نہیں ہیں بلکہ ابد تک ان کا نفاذ لازمی و ضروری ہے۔ اسلام صرف زمانِ رسول کے لئے نہیں آیا تھا کہ آپ کی رحلت کے بعد احکامِ اسلام بھی ختم ہو جاتے۔ حدود و قصاص کا نفاذ نہ کیا جاتا، مالیاتی نظام برطرف ہو جاتا۔ یا دفاع کا حکم ختم کر دیا جاتا۔ ایسا نہیں ہے بلکہ قوانینِ اسلام کا کسی زمان یا مکان تک محدود ہونے کا عقیدہ بدیہی طور پر اسلامی عقیدہ نہیں ہے۔ لہٰذا جب احکامِ رسولِ خدا کے بعد بھی اب تک نافذ العمل ہیں تو ان کے لئے "حکومتِ اسلامی" کی تشکیل بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اگر حکومت نہ ہوگی اور افرادِ انسان کی فعالیت نظامِ عادلانہ کے تحت نہ ہوگی تو ہرج و مرج لازم آئے گا۔ اجتماعی، اعتقادی، اخلاقی فساد کا ظہور ہوگا۔ اس لئے ہرج و مرج سے بچانے، نیز معاشرہ کو فساد سے محفوظ رکھنے کے لئے "حکومتِ اسلامی" کی تشکیل واجب و لازم ہے۔ نیز عقل و شرع کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ حیاتِ رسولِ اکرمؐ اور مولائے کائناتؑ میں جو بات ضروری تھی، وہ ہماری زندگی میں بھی لازم و واجب ہے۔ توضیحِ مطلب کے لئے عرض ہے کہ غیبتِ صغریٰ سے اب تک ایک ہزار سال سے زیادہ مدت گزر چکی ہے اور ممکن ہے ایک لاکھ سال تک دورِ غیبت باقی رہے۔ مصلحتِ امامت کا تقاضہ نہ ہو کہ ظہور ہو تو کیا اس تمام مدت میں احکامِ اسلام معطل رہیں گے؟ جس کا جو جی چاہے کرے؟ ہرج و مرج پیدا ہوتا رہے؟ جن احکام کی تبلیغ و اجراء کے لئے سرکارِ رسالت نے تیئیس سال تک طاقت فرسا زحمت برداشت کی وہ محض ایک محدود مدت کے لئے تھے؟ خدا نے احکامِ اسلام کو صرف ۲ سال کے لئے بھیجا تھا؟ غیبتِ صغریٰ کے بعد کوئی پابندی نہیں ہے؟ ایسے عقیدے یا اعتقاد کا اظہار اسلام کے منسوخ ہونے کے عقیدے سے بھی زیادہ بدتر ہیں۔ کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اب اسلام کی ضرورت نہیں ہے۔ وطنِ اسلام کی سرحدوں کی حفاظت اب غیر ضروری ہے۔ مالیات / جزیہ / خراج، خمس، زکوٰۃ کی اب

کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام کے جزائی احکام دیات وقصاص سب معطل ہو گئے۔ تشکیلِ حکومت اسلامی کی ضرورت کا اور احکام اسلام کے نفاذ کی ضرورت کا منکر ہے اس نے گویا اسلام کی جامعیت و ہمیشگی کا انکار کر دیا۔

حضرت علی ابن ابیطالب کا رویہ و طریقہ

رسول اکرمؐ کے انتقال کے بعد کوئی بھی مسلمان ضرورتِ حکومت کا منکر نہیں تھا۔ کسی نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ ہمیں حکومت کی ضرورت نہیں ہے۔ تشکیلِ حکومت پر ہر فرد متفق تھا بس اس میں اختلاف تھا کہ حاکم کون ہو۔ یہی وجہ ہے کہ رسولِ خداؐ کے بعد خلفائے ثلاثہ اور حضرت علیؑ کے دور میں حکومت کی تشکیل ہوئی۔ ارباب دولت تھے، حکومت تھی، احکام کا نفاذ ہوتا تھا۔

قوانینِ اسلام کی ماہیت و کیفیت

قوانینِ اسلام کی ماہیت و کیفیت خود تشکیلِ حکومت کی دلیل ہے۔ قوانین کی کیفیت خود بتاتی ہے کہ بغیر حکومت و ادارۂ سیاسی و اقتصادی ان کی تکمیل ممکن نہیں ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ احکام شرع ایسے قوانین پر حاوی ہیں کہ اُن سے ایک نظامِ اجتماعی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس حقوقی نظام میں ضروریاتِ بشر از قسم ہمسایوں سے معاشرت، اولاد و قبیلہ و قوم سے طریقۂ نباہ، ہم شہری اور امورِ خصوصی و زندگی نکاح سے لے کر جنگ و صلح، بین الاقوامی روابط تک، قوانین جزائی سے لیکر صنعت و تجارت و زراعت کے حقوق تک، انجام نکاح و انعقادِ نطفہ کے پہلے سے لے کر موت تک کے

قانون و دستور ہیں۔ اس میں یہ تک ہے کہ نکاح کیسے ہونا چاہیئے۔ اس وقت یا انعقاد نطفہ کے موقع پر انسان کی خوراک کیا ہونی چاہیئے۔ شیر خوارگی کے زمانے کے فرائض کیا ہیں؟ بچہ کی تربیت کیونکر کی جائے؟ ان تمام مراحل کے لئے اسلام کے پاس دستور ہے تاکہ انسان کی تربیت کرے۔ انسان کامل و فاضل کے وجود کا سبب بنے ایسا انسان پیدا کرے ___ جو متحرک و مجسم قانون ہو۔ یہ تمام باتیں بغیر حکومتِ اسلامی کے کیونکر پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتی ہیں۔ انسان اپنے کمال اور سعادت میں جن احکام اور دستورات کا محتاج ہے وہ سب کے سب قرآن مجید اور سنتِ پیغمبر میں موجود ہیں۔ کتاب کافی میں ایک فصل اس عنوان سے (لوگوں کی تمام ضروریات کتاب وسنت میں بیان کئے گئے ہیں) موجود ہے۔ قرآن تو تبیان کل شئی یعنی تمام امور کو واضح کرنے والی کتاب ہے۔ حسب روایات امام قسم کھا کر فرماتے ہیں۔ بلکہ جن چیزوں کی ملت محتاج ہے۔ قرآن و سنت میں وہ سب موجود ہیں اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔

دوسری چیز جو حکومتِ اسلامی کی تشکیل کی طرف اشارہ کرتی ہے وہ یہ ہے اگر ہم احکام شرع کی ماہیت و کیفیت میں دقتِ نظر کے ساتھ غور کریں تو ہم کو معلوم ہو جائیگا کہ ان احکام کا نفاذ اور ان پر عمل بغیر تشکیلِ حکومت ناممکن ہے۔ احکام الٰہی کے نفاذ کا وظیفہ بغیر ایک عظیم حکومتِ اسلامی کے پورا ہی نہیں کیا جا سکتا۔ میں بعض مواد کا ذکر کرتا ہوں۔ حضرات اہل قلم دوسرے موارد کا مراجعہ کریں۔

مالیات:- جن مالیات کو اسلام نے مقرر کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ محض فقرا اور سادات فقیر کے سد رمق کے لئے نہیں ہے بلکہ تشکیل حکومت بلکہ ایک عظیم حکومت کے ضروری مصارف کے لئے ہے مثلاً خمس کو ہی لے لیجئے یہ ایک ایسی آمدنی ہے جو بیت المال میں جمع ہوتی ہے

جو جائے مذہب کے لحاظ سے زراعت، تجارت، معادن، زیرِ زمینی دفینے، زمینی
دلچسپی کی تمام منافع سے بطور عادلانہ حاصل کیا جاتا ہے۔ اس میں مسجد کے دروازے
پر سبزی بیچنے والے سے لے کر جہاز چلانے اور کان سے نفع کمانے والوں تک
کو شامل کیا گیا ہے۔ تمام لوگوں پر واجب ہے کہ سال بھر کے متعدد خرچ سے جو
بچ جائے اس کا پانچواں حصہ حاکمِ اسلام کو دیں تاکہ وہ دولت بیت المال میں
پہنچے۔ ظاہر ہے کہ کتنی بڑی آمدنی حکومتِ اسلامی کے ادارہ اور اس کی مالی
ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہے۔ اسلامی حکومتوں یا تمام دنیا کی حکومتوں[1]
اگر سب نظامِ اسلام کے ماتحت ہوں کا اگر حساب کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا
کہ اس مالی ٹیکس کا مقصد محض سیدوں یا عالمِ دین کی پرورش نہیں ہے بلکہ اس سے
بھی زیادہ کوئی اور شے ہے اور وہ حکومت کے علاوہ اور کیا ہے؟ اگر اسلامی
حکومت کا وجود ہو جائے تو اسی مالیات خمس، زکات۔ البتہ زکوٰۃ زیادہ
نہیں ہے۔ جزیہ، خراج کے ذریعہ ادا کیا جا سکتا ہے۔ سادات جو خمس کے
مستحق ہیں۔ اور تمام حوزہ ہائے علمیہ اور تمام فقرائے مسلمین کے لئے صرف
بازارِ بغداد کی آمدنی کا خمس کافی ہے۔ تہران، اسلامبول، قاہرہ کے بازار کی
نوبت ہی نہ آنے پائے گی۔ ان تمام آمدنیوں کا مقصد حکومت کی تشکیل کے علاوہ
اور کیا ہے؟ یہ ساری آمدنی لوگوں کی بہترین ضروریات اور خدمات عمومی کے
انجام دہی کے لئے ہے۔ خواہ وہ عمومی خدمت طبی ہو یا فرہنگی، دفاعی ہو یا

۱۔ اس کتاب کی اشاعت جو حکومتِ اسلامی کے برسر [illegible] خمس و زکوٰۃ [illegible] ہے اور ملک کی
مسلموں سے [illegible] ملک کے تشکیلات [illegible] مسلمانوں کی طرح بھی [illegible]
حاصل کرتے ہیں [illegible] ان کی آمدنی پر ایک [illegible] ٹیکس لازم قرار دیا جاتا ہے۔
اسی کو "جزیہ" کہتے ہیں۔

بالخصوص اگر اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے روپیہ جمع کیا جائے، اس کی حفاظت
کی جائے اور اس کو صرف کیا جائے تو خزانۂ عمومی پر کسی قسم کا کوئی بار نہ پڑیگا
اور رئیسِ حکومت، والیانِ حکومت، ارکانِ حکومت کو آمدنی سے استفادہ حاصل
کرنے میں عوام پر کوئی ترجیح نہیں ہوگی، بلکہ سب برابر کے حصہ دار ہوں گے۔
کیا اتنی عظیم آمدنی کو دریا میں پھینک دیا جائے؟ یا ظہورِ حجت تک زمین میں دفن
کر دیا جائے؟ یا اس لئے ہے کہ اس سے ہر دن پچاس سید کھالیں یا آج کل فرض کیجئے پانچ سو
ہزار ایسے سیدوں کو دیا جائے جن کو یہ بھی نہ معلوم ہو کہ اس کو کیا کیا جائے؟
خصوصاً جبکہ ہم جانتے ہیں کہ سادات و فقراء بس اسی قدر لے کر جس سے وہ اپنی
زندگی باقی رکھ سکیں۔ اسلام نے ہر آمدنی کے لئے مخصوص مصرف بھی معین کر دیا ہے ایک
صندوق زکوٰۃ کے لئے، ایک خمس کے لئے، ایک صدقات و تبرکات کے لئے مخصوص ہے
سادات خمس سے اپنی زندگی بسر کریں اور حدیث میں ہے کہ سادات بھی سال بھر کے صرف
کے بعد خمس کی بچی ہوئی رقم حاکمِ اسلام کے حوالے کر دیں۔ اگر وہ رقم خمس کم پڑ جائے تو حاکم
ان کی مدد کرے گا۔

اہلِ ذمہ سے حاصل ہونے والے جزیہ، زراعت کی وسیع زمین سے لئے جانے والے
خراج کی آمدنی بھی خوب زیادہ ہے۔ اس قسم کے مالیات کا مقرر کرنا خود بتاتا ہے کہ حاکم اور
حکومت کا وجود ضروری ہے۔ حاکم و والی کا وظیفہ ہے کہ اہلِ ذمہ کی آمدنی، مال و مالی استطاعت
کا لحاظ کرتے ہوئے افراد پر ٹیکس معین کرے۔ یا ان کے زراعت اور مویشی سے مناسب
ٹیکس حاصل کرے۔ اسی طرح وسیع و عریض زمینوں پر جو "مال اللہ" ہے اور حکومتِ
اسلامی کے تصرف میں ہے، اس سے خراج حاصل کرے۔ یہ کرنے میں حساب و کتاب
تدبیر، منظم تشکیلات کی ضرورت ہوگی۔ بہرحال درہم برہم سے انجام دینے والا کام نہیں ہے
مقصد یہ کہ حکومت کا کام ہے کہ اس قسم کے مالیات مناسب اور اندازے سے حاصل کرے

مسلمانوں کے مفادِ عام میں خرچ کریں۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اسلام کے مالی احکام خود ہی تشکیلِ حکومت پر دلالت کرتے ہیں کہ نہیں؟ اور ان احکام کا نفاذ بغیر حکومت ناممکن ہے

۲۔ احکامِ دفاعِ ملی

نظامِ اسلام کی حفاظت و سرزمینِ اسلام کے دفاع کے احکام بھی تشکیلِ حکومت کی ضرورت پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً اعدّوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخیل یہ آیت حکم دیتی ہے کہ جتنی بھی ہو دفاعی قوت اس کو بڑھاؤ اگر مسلمان حکومتِ اسلامی کی تشکیل کر کے اس آیت پر عمل کر کے باقاعدہ جنگی اور تشہ سوار رہتے تو مٹھی بھر یہودی ہماری زمین پر قبضہ نہیں کر سکتے تھے۔ ہماری مسجدِ اقصیٰ کو خراب کر کے آگ نہیں لگا سکتے تھے۔ وہ جلدی سے کسی کی ہمت نہ ہوتی کہ ہمارے مقابلے پر آ جائے۔ یہ ساری خرابیاں صرف اس وجہ سے ہیں کہ مسلمانوں نے احکامِ خدا کے اجراء میں کوشش نہیں کی۔ اور صالح لائق حکومت کی تشکیل نہیں دی۔ اگر دولِ اسلامی کے تمام حکمران افرادِ مومنین کے نمائندہ ہوتے اور اجرائے احکامِ اسلام کرتے، جزئی اختلافات کو ختم کر دیتے، تفرقہ اندازی سے الگ ہو کر متحد ہو جاتے اور "ید واحدة" ہو جاتے تو انگریز و امریکہ کے پٹھو مٹھی بھر یہودی یہ کام نہیں کر سکتے تھے۔ چاہے امریکہ و انگریز اُن کی پشت پناہی بھی کرتے۔ یہ ساری تقصیر ان لوگوں کی ہے جو زبردستی مسلمانوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ واعدوا لهم ما استطعتم الخ کی آیت ہمیں حکم دیتی ہے کہ حتی الامکان قوی و آمادہ رہنا چاہیئے تاکہ دشمن حملہ اور ظلم و ستم نہ کر سکے۔ ہمارے عدمِ اتحاد کا نتیجہ ہے جو روز افزوں نت نئے مصائب سے دوچار ہو رہے ہیں۔

۳۔ احکامِ جزائی

دیات۔ جو کہ ان کے مالکوں تک پہنچائی جائے۔ حدود و قصاص۔ جن کا اجراء حاکمِ شرع کے دستور کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اس قسم کے احکام بغیر حکومت متحقق نہیں ہو سکتے۔ یہ سارے

امورِ حکومت چاہتے ہیں۔ بغیر حکومت ان امور کی انجام دہی ناممکن ہے۔

انقلابِ سیاسی

دشمنانِ آلِ محمدؐ بنی اُمیہ۔ لعنہم اللہ نے حضورِ اکرمؐ کی رحلت کے بعد اسلامی حکومت حضرت علیؑ کے ہاتھوں میں نہیں آنے دی۔ خدا کی پسندیدہ حکومت کا خارج میں وجود ہی نہ ہو پایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کو دگرگوں کر دیا۔ ان کی حکومت کے پروگرام سارے کے سارے حکومتِ اسلامی کے مخالف و مباین تھے۔ بنی عباس، بنی امیہ کی سیاست، طریقۂ حکومت یہ سب قوانینِ اسلام کے مخالف تھے۔ ان کی حکومت سلطنتی و شاہنشاہِ ایران، کسرائے روم، فرعونِ مصر کی حکومت کا نمونہ تھی اور بعد میں بھی یہی صورت رہی جیسا کہ اب ہے۔ عقل و شرع کا فیصلہ ہے کہ ایسی حکومتیں جو غیر الٰہی ہیں ان کو دوام نہ ملنے دیں، کیونکہ نظامِ سیاسی غیر اسلامی کا مطلب نظامِ سیاسی اسلام کا تعطل ہے۔ نیز ہر نظامِ سیاسی غیر اسلامی ہمیشہ نظامِ شرک آمیز ہوگا۔ اس کا حاکم طاغوت ہوگا۔ اس لئے ہمارا فریضہ ہے کہ مسلمانوں کے معاشرے سے شرک کو دور کریں۔

اسی طرح ہمارا فریضہ یہ بھی ہے کہ افرادِ مومن و باشخصیت کی تربیت کریں اور ایسے صالح افراد کا مجتمع ہونا بھی ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ طاغوتی حکومتوں میں ہم ایسا نہیں کر سکتے اس لئے حکومتِ اسلامی کا وجود ضروری ہے۔ طاغوتی حکومت کا ہونا فساد ہے یہ وہی "فساد فی الارض" ہے جس کا ختم ہونا واجب ہے اور ان فسادیوں کو ان کے اعمال کی سزا ملنی ضروری ہے۔ یہ وہی فساد ہے کہ جس کو فرعون نے اپنی سیاست سے مصر میں ایجاد کیا تھا اور قرآن نے کہا کہ یہ مفسدین میں سے ہے۔ اس معاشرہ و مجتمع میں انسانِ مومن و متقی و عادل زندگی نہیں بسر کر سکتے اور نہ ہی اپنے ایمان پر باقی رہ سکتے ہیں۔ بندگانِ

صرف دو ہی راستے ہیں یا تو مجبوراً شرک آمیز و غیر صالح اعمال کا ارتکاب کریں یا پھر ان طاغوتی حکومتوں کے اوامر و نواہی کو تسلیم نہ کر کے ان کا مقابلہ کریں۔ ہمارے سامنے یہی راستہ ہے۔ حکومت فاسد کو نیست و نابود کر دیں یہ ایک ایسا وظیفہ ہے جس کے لئے تمام مسلمان ایک ہی وقت میں ایسی حکومتوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور سیاسی اسلامی انقلاب کو مضبوط سے مضبوط تر کریں۔

وحدتِ اسلامی

دشمنانِ اسلام نے وطنِ اسلام کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مسلمانوں کو مختلف حکومتوں میں بانٹ دیا۔ جب عظیم دولتِ عثمانی کا وجود دنیا کے نقشہ پر ابھرا تو ان کو یہ بھی برداشت نہ ہو سکا چنانچہ روس، انگلینڈ اور دوسری تمام استعماری حکومتیں متحد ہو کر دولتِ عثمانی کے مقابل پر جنگیں اور ہر ایک نے ایک ایک حصہ پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ اگرچہ دولتِ عثمانی کے اکثر حکام نالائق تھے اور بعض تو نہایت فاسد رژیم حکومت کرتے تھے۔ مگر پھر بھی دشمنانِ اسلام اس حکومت کو برداشت نہ کر سکے کیونکہ ان کو خطرہ تھا کہ کہیں رعیت کے اندر کچھ لائق افراد پیدا ہو کر شیرازۂ ملت کو متحد نہ کر دیں۔ لہٰذا پہلی عالمگیر جنگ عظیم کے بعد اس حکومت کے بالشت بالشت بھر کی دس پندرہ حکومتیں کر دیں اور ہر ٹکڑے پر اپنے پٹھو کو حاکم بنا دیا۔ بعد میں کچھ حکومتیں استعماری چنگل سے الگ بھی ہو گئیں۔ ہمارے اوپر شیرازۂ امت اسلامی کو متحد کرنے کے لئے دشمنانِ اسلام کے چنگل سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے ان کی حکومتوں کا قلع قمع کر کے ایک اسلامی حکومت کی تشکیل واجب و لازم ہے جس کی طرف معصومۂ عالمؑ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے۔

"امامت حفظِ نظام کے لئے اور شیرازۂ مسلمین کو متحد کرنے کے لئے ہے۔"

مظلوم و بیکس نفوس کی نجات واجب ہے

استعماری قوتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے خود یہ عمال سیاسی جو لوگوں پر مسلط ہو گئے ہیں اور لوگوں پر ظالم نظام کو مسلط کر رکھا ہے اور جس کی وجہ سے لوگ دو حصوں میں بٹ گئے ہیں۔ ظالم و مظلوم۔ ایک طرف تو کروڑوں انسان بھوک سے مر رہے ہیں طبی و فرہنگی سہولتیں بھی ان کے لئے مہیا نہیں ہیں۔ اور دوسری طرف چند ثروتمند اور سیاسی اقتدار والے عیش پسند بیہودہ قسم کے لوگ ہیں۔ بھوکے اور محروم و ستم زدہ لوگ ظالم حکام سے اپنے کو بچانے کی فکر میں ہیں تاکہ سکھ کی روٹی کھا سکیں۔ لیکن عیش پرست ثروتمند ظالم یہ بھی نہیں ہونے دیتے اس لئے ہمارا فریضہ ہے کہ مظلوموں کو نجات دلائیں۔ ان کی پشت پناہی کریں اور ظالموں کے دشمن رہیں اور یہ سب بغیر اسلامی حکومت کے ناممکن ہے۔ حضرت امیرؑ حسنینؑ کو اسی وظیفے کی وصیت فرماتے ہیں۔ "نورِ چشمو! تم دونوں ہمیشہ ظالم کے دشمن اور مظلوم کے مددگار رہنا۔"

علمائے اسلام کا فریضہ ہے کہ ظالموں سے مقابلہ کریں۔ مسلمانوں کو بھوک اور محرومیت سے بچائیں۔ ظالم و ستمگر و حرام خور ناز و نعمت میں زندگی نہ بسر کرنے پائیں۔ مولائے کائنات فرماتے ہیں "میں نے حکومت کو صرف اس لئے قبول کیا ہے کہ خداوند عالم نے علماء سے عہد و پیمان لیا ہے کہ ستمگروں کی ستمگری اور بھوکے مظلوموں کی محرومیت پر ہاتھ رکھ کے نہ بیٹھے رہیں۔"

اما والذی فلق الحبۃ و برأ النسمۃ لولا حضور الحاضر
وقیام الحجۃ بوجود الناصر وما اخذ اللہ علی العلماء ان لا یقارّوا
علی کظۃ ظالم ولا سغب مظلوم لالقیت حبلہا علی غاربہا

وسقیت آخرھا بکاس اولھا ولالفیتم دنیاکم ھذہ ازھد عندی من عفطۃ عنز۔ "اس خدا کی قسم جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور انسان کو پیدا کیا۔ اگر بیعت کرنے والوں کا وجود اور مددگاروں کی موجودگی سے تمام دلیل نہ ہو گئی ہوتی اور خدا نے علماء سے جو عہد لیا ہے کہ ظالموں کی غارت گری اور پرخوری پر اور مظلوموں کی بھوک و گرسنگی پر خاموش نہ رہیں، (اگر یہ سب باتیں نہ ہوتیں) تو میں زمام حکومت کو چھوڑ دیتا۔ اور تم دیکھتے کہ تمہاری یہ دنیا بھیڑ کے چھینکنے کے وقت جو کثافت اس کی ناک سے نکلتی ہے، اس سے بھی زیادہ حقیر و ذلیل ہوتی"

لہٰذا! آج ہم کیونکر بیٹھ سکتے ہیں؟ اور ہم کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ چند خائن و خونخوار دشمنانِ اسلام کے پٹھو دوسروں کے بل بوتے پر زر کے زور سے سینکڑوں بلکہ ملیونوں مسلمانوں کے حقوق کو غصب کر لیں اور ان کو اپنی نعمتوں سے فائدہ نہ حاصل کرنے دیں۔ علماء اسلام اور تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ اس نظام کو بدل لیں اور ظالم حکومتوں کو نیست و نابود کر کے حکومتِ اسلامی کی تشکیل کریں۔

حکومتِ اسلامی حدیث کی روشنی میں

بعض احکام اسلام کی ضرورت، رسول اکرمؐ اور حضرت امیرؑ کا رویہ، روایات و احادیث کے مفاد سے حکومتِ اسلامی کی تشکیل واجب و لازم ہے۔ یہاں صرف ایک روایت امام رضاؑ سے نقل کرتا ہوں۔ عربی عبارت کو چھوڑ کر صرف اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے اصل حدیث علل الشرائع ج ۱ ص ۱۸۳، حدیث ۹ میں ملاحظہ ہو۔ ترجمہ

حدیث کا پہلا حصہ نبوت سے متعلق ہے جو ہماری بحث سے خارج ہے اس لئے حذف کر دیا ہے۔ حدیث کا آخری حصہ ہمارے مطلب کے لئے مفید ہے اس لئے اس کا تذکرہ

کرتا ہوں۔ "اگر کوئی پوچھے کہ خدا نے "اولی الامر" کیوں معین فرمایا، جن کی اطاعت ہم پر واجب ہے۔ اس کا جواب یہ دینا چاہیئے کہ بہت سی حکمتوں اور وجوہ کے پیش نظر خدا نے ایسا کیا ہے ان میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ لوگوں کو ایک طریقہ کا پابند کر دیا گیا ہے اور یہ کہہ دیا گیا ہے کہ اس کے حدود سے آگے نہ بڑھیں ورنہ مبتلائے فساد ہوں گے اور یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک مرد (یا قدرت) ان کے لئے امین و پاسبان نہ ہو، جس کا فریضہ ہو کہ لوگوں کو ان کے حقوق سے آگے نہ بڑھنے دے۔ دوسروں کے حقوق پر کوئی ظلم و تعدی نہ کر سکے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو لوگ اپنی لذت و منفعت کے حصول کے لئے دوسروں پر ظلم سے باز بھی نہ آئیں گے۔ ایک دلیل یہ بھی کہ دنیا کے مختلف فرقوں اور مذہبوں میں کسی بھی ملت یا مذہب یا فرقہ کا وجود بغیر رئیس کے ممکن نہیں ہوا ہے۔ اس بنا پر مسلمانوں میں بھی ایک حاکم و رئیس ہونا چاہئے، کیونکہ دین و دنیا کے امور میں ایسے شخص کا وجود ضروری ہے اسی لئے خداوند عالم کی حکمت میں یہ بات ناجائز ہے کہ اپنے بندوں کو بغیر رہبر و سرپرست کے چھوڑ دے۔ کیونکہ خدا جانتا ہے کہ مخلوق کے لئے ایسا رہبر ہونا ضروری ہے جو دشمنوں سے جنگ کر کے آمدنی کو ان کے درمیان تقسیم کرے۔ ان کے لئے جمعہ و جماعت قائم کرے، مظلوموں کے دامن تک ظالموں کے ہاتھوں کو نہ پہنچنے دے۔ علاوہ بریں اگر مخلوق کے لئے امام امین، رہبر اور حافظ معین نہ کرے تو ملت کہنہ ہو جائے گی، دین برباد ہو جائے گا، سنت اور اس کے احکام متغیر ہو جائیں گے، بدعتی لوگ دین میں اضافہ کر دیں گے، ملحدین کمی کر دیں گے۔ اور اس طرح کر دیں گے کہ دین مسلمانوں پر مشتبہ ہو کر رہ جائے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں لوگ ناقص ہیں، کمال کے محتاج ہیں، اس کے علاوہ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں، ان کے حالات، ان کی خواہشیں الگ الگ ہیں۔ لہٰذا اگر لوگوں کے لئے قیم اور دین کا محافظ معین نہ ہوتا تو جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں لوگ فساد میں مبتلا ہو جاتے، شریعتیں، سنن، احکام، ایمان سب ہی متغیر ہو جاتا، اور اس میں پوری مخلوق کا فساد ہی فساد ہوتا۔

حضرت کے بیان سے ولی امر کی تقرری اور تشکیل حکومت کا ضروری ہونا متعدد دلیلوں سے ثابت ہوتا ہے اور یہ دلیلیں اور علتیں کسی زمانے سے مخصوص نہیں ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تشکیل حکومت دائمی ہے۔ مثلاً لوگوں کا حدود اسلام سے تجاوز کرنا، دوسروں کے حقوق کو غصب کرنا، اپنے نفع کے لئے دوسروں کے مفاد کا لحاظ نہ کرنا یہ باتیں دائمی ہیں لہذا حکومت بھی دائمی ہونی چاہیئے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ باتیں حضرت علیؑ کے دور میں تھیں اس کے بعد لوگ فرشتے ہوگئے، معصوم ہوگئے اب ولی امر کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کی حکمت کا تقاضا ہے کہ لوگ عادلانہ زندگی بسر کریں۔ احکام الہی کے پابند رہیں۔ اور یہ حکمت دائمی اور خدا کی ان سنتوں میں سے ہے جو ناقابل تغیر ہیں لہذا آج اور ہمیشہ ولی امر کا ہونا لازمی و ضروری ہے یعنی ایسے حاکم کا جو نظم و نسق قائم کرے، اسلام کو برقرار رکھے، دوسروں کے حقوق پر ظلم و تعدی کرنے سے خلق خدا کا امانت دار ہو، سارے لوگوں کو عقائد و احکامات و نظام اسلام کی تعلیم دے اور دشمنان دین، دین کے نظام و قوانین میں جو خلل اندازی کرنا چاہیں اس سے دین کو محفوظ رکھے۔ کیا حضرت علیؑ کی خلافت ان ہی چیزوں کے لئے نہیں تھی؟ جن وجوہ کی بنا پر اس وقت امام و خلیفہ کا تعین ضروری تھا ان ہی وجوہ کی بنا پر آج بھی ضروری ہے۔ بس فرق اتنا ہے کہ آج کوئی معین شخص نہیں ہے بلکہ جو بھی ایسا ہے اس کو حاکم بنانا ضروری ہے۔ اس لئے اگر احکام اسلام کو باقی رہنا ہے، ظالم مظلوم کے حق پر قابض نہ ہو سکیں، ظالم حکومتیں اپنی سب مادی ذرائع کی خاطر لوگوں کو غارت و برباد نہ کر سکیں۔ اگر نظام اسلام برقرار رہے، تمام لوگ عادلانہ زندگی بسر کر سکیں، بدعت و خلاف اسلام احکام ترتیب نہ پا سکیں، اسلامی حکومتوں میں اجنبی دخل نہ دے سکیں تو بغیر حکومت کے یہ سب ناممکن ہے لیکن حکومت بھی صالح ہو ورنہ وہ بیکار ہوگی جیسے موجودہ حکومت کرنے والے جو نہایت ناکارہ و نااہل ہیں یہ جائز مفید مطلب نہیں ہیں۔

خلفاء نے بعد میں تشکیل حکومت کی کوشش نہیں کی یعنی اجتماعی طور پر خائن

فاسد و فاسق حکام کا تحفظ نہیں کیا۔ بلکہ بعضوں نے سستی روی اختیار کی۔ حد ہے کہ نظریہ اسلامی نظریات کی تبلیغ و ترویج سے چشم پوشی کی گئی بلکہ جتنی ظالم حاکموں کے لئے دعا میں کی گئیں بھی مروج کی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خداوند کا ارشاد بلند کم ہوا، امت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی، احکام الٰہی معطل ہوگئے ان میں تغیر و تبدل کر دیا گیا۔ استعمار گروں نے اپنی منحوس اغراض کیلئے اپنے سیاسی عمال کے ذریعے خصوصاً جیسی فرنگی و امریکائی قوانین کو مسلمانوں کی گردنوں پر لاد دیا۔ لوگوں کو مغرب زدہ کر دیا یہ سب اس لئے ہوا کہ ہمارے درمیان کوئی حاکم و رہبر نہیں تھا مگر مطلب یہ ہے کہ حکومت سے جو وہ نہیں ملی اور آج یہ دن دیکھنے نصیب ہوتے۔

حکومتِ اسلامی کا طرز

موجودہ طرز کی حکومتوں سے اسلامی حکومتوں کا طرز جدا ہے۔ اسلامی حکومت کا طریقہ مثلاً استبدادی ہوتا ہے جس میں رئیس دولت مستبد و خود رائے ہوتا ہے لوگوں کے جان و مال کی بازی لگا دیتا ہے جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے جس کو چاہے قتل کر دے جس کو چاہے انعام و اکرام سے نوازدے جس کو چاہے جاگیر دے دے ملک و ملت جس کو چاہے بخش دے اس قسم کے اختیارات تو رسول اکرمؐ اور حضرت علیؑ کو بھی نہیں تھے اور حکومت اسلامیہ مطلقہ بھی نہیں ہے بلکہ مشروطہ ہے لیکن مشروطہ کے جو عقلاً معنی متعارف ہیں اس معنی سے مشروطہ مراد نہیں ہے کہ جس میں قانون اکثریت کی رائے کا تابع ہوا کرتا ہے بلکہ مشروطہ سے مراد یہ ہے کہ حکومت کرنے والے قرآن و حدیث کے شرائط کے پابند ہوں گے یعنی قوانین اسلام کے پابند ہوں اس لحاظ سے حکومت اسلامی درحقیقت لوگوں پر الٰہی حکومت کا نام ہے۔ اسلامی حکومت اور مشروطہ سلطنتی و جمہوری میں ایک بنیادی فرق ہے کہ لوگوں کے یا بادشاہ کے نمائندے قانون بناتے ہیں اور اسلام میں وضع قانون کا حق صرف خداوند عالم کو ہے۔ شارع مقدس حق وضع قانون رکھتے ہیں کسی اور کو یہ حق نہیں ہے

اور نہ کوئی قانون حکمِ شریعت کے بغیر نافذ العمل ہو سکتا ہے

اسلام کے سارے قوانین مسلمانوں کے پسندیدہ ہیں اور مسلمان ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے حکومت کے سب کام آسان ہیں۔ بخلاف مشروط سلطنتی یا جمہوری حکومتوں کے کہ ان حکومتوں کے نتیجے اکثر اپنی من پسند چیز کو بنام قانون لوگوں پر نافذ کرتے ہیں۔

اسلام کی حکومت حقیقت قانون کی حکومت ہے۔ اس حکومت میں حاکمیت کا انحصار خدا پر ہے۔ خدا کا حکم تمام افراد اور تمام حکومتوں پر یکساں لاگو ہے۔ تمام افراد حضور اکرم سے لے کر ان کے خلفاء تک سب کے سب ایک قانون کے تابع ہیں۔ وہی قانون ہے جو خدا کی طرف سے نازل ہوا اور نبی کی زبان سے بیان ہوا۔ اگر رسول خلیفۃ اللہ بنے تو بھی حکم خدا سے بنے نہ کہ خود سے مسلمانوں کے رئیس بنے اور نہ ہی کوئی حکومت تشکیل دی۔ اسی طرح چونکہ لوگ تازہ تازہ ایمان لائے تھے اور احتمال تھا کہ امت میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے اس لئے خدا نے اپنے رسول پر وحی نازل فرمائی۔ اسی واسطے بیابان میں امر خلافت کا اعلان کر دیجئے لہٰذا رسول نے بھی قانون کی پیروی کرتے ہوئے نہ یہ کہ علی رسول کے داماد تھے، حضرت علی کو خلیفہ مقرر کر دیا۔ بلکہ علی کی خدمات بھی پیش نظر نہیں تھیں، صرف حکم الٰہی کی پابندی کی۔

اسلام میں حکومت کا مفہوم قرآن کی پیروی ہے۔ تمام معاشرہ پر صرف قانون کی حکمرانی ہے۔ رسول اکرم یا آپ کے جانشینوں کو جو اختیارات دیئے گئے تھے وہ بھی خدا ہی کی طرف سے تھے۔ حضور جب بھی کوئی مطلب یا حکم بیان کرتے تھے تو قانونِ الٰہی کی پیروی ہوتی تھی۔ ایسا قانون کہ بلا استثنا سب پر لاگو ہے۔ حکم الٰہی حاکم و محکوم سب کے لئے برابر ہے تنہا وہ حکم یا قانون جو لوگوں پر واجب العمل ہے وہ خدا کا قانون ہے۔ رسول اکرم کی پیروی حکم خدا کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ اطیعوا الرسول۔ پیغمبر کی اطاعت کرو۔ اسی طرح اولو الامر کی پیروی بھی حکم خدا ہے۔ ارشاد ہے۔ اطیعوا ... واولی الامر منکم۔ تو لوگوں کی رائے کا کیا سوال ہے۔ خود حضور کی رائے حکومت و قانونِ الٰہی میں کوئی دخل نہیں رکھتی۔

سب ارادۂ الٰہی کے تابع ہیں۔ اسلامی حکومت کوئی سلطنتی نہیں ہے چہ جائیکہ بادشاہت ہو کہ جس میں کوئی فرد شخص جو شاہی ہے لوگوں کے جان و مال پر مسلط ہوتے ہیں اور خود سر ہوتے ہیں۔ اسلام میں اس قسم کا کوئی اختیار نہیں ہے اسی لئے اسلامی حکومت سب برخلاف شاہی و بادشاہی حکومتوں کے۔ بلند و بالا محل شاہانہ عمارتیں، خشم و خدم دفتر مخصوص، دفتر ولیعہد اور دیگر سلطنت کے لوازم جن پر حکومت کا کل خرچ کا آدھا یا اس سے بھی زیادہ صرف ہو جاتا ہے ایسی چیزیں نہیں تھیں رسول خدا کی زندگی۔

جو حکومت اسلامی کے رئیس تھے۔ سب کو معلوم ہے آپ کے بعد بنی امیہ کا دور شروع ہونے تک یہی صورت حال تھی۔ پہلے دو خلیفاؤں نے اپنی شخصی و ظاہری زندگی میں حضور اکرم کی سیرت کو اپنایا تھا۔ اگرچہ دوسرے بہت سے معاملات میں حضور کی مخالفت کی تھی جس کا نتیجہ عثمان کے زمانے میں ظاہر ہوا۔ جیسا کہ آج کل ہم لوگ مبتلا ہیں۔ حضرت علیؑ نے اپنے دور حکومت میں پھر اصلاح فرمائی۔ اور حکومت کا اسلوب پھر صالح ہو گیا۔ حضرت علیؑ جو ایران مصر، حجاز، یمن وغیرہ پر حکومت کرتے تھے کی زندگی ایسی تھی کہ آج کوئی فقیر سے فقیر طالب علم بھی ایسی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ ایک مرتبہ آپ نے دو کرتے خریدے۔ اچھے دام والا اپنے غلام قنبر کو دے دیا اور دوسرا پیراہن جس کی آستینیں بہت لمبی تھیں اس کو اپنے لئے رکھ لیا آستین کا فاضل حصہ پھاڑ کر اسی پھٹے ہوئے پیراہن کو زیب تن فرمایا حالانکہ اتنی عظیم سلطنت کے مالک تھے۔

اگر یہی انداز حکومت باقی رہتا تو لوگوں کے جان و مال پر کسی کا تسلط نہ ہوتا۔ سلطنت و شاہنشاہی اس قسم کے نظام نہیں رکھ سکتی تھی، خزانۂ عمومی کو ذاتی جیب نہ سمجھا جاتا۔ فحشا و منکرات کا وجود نہ ہوتا۔ زیادہ تر مفاسد حکام کی بے راہ روی کا نتیجہ ہیں یہی لوگ ہیں جو فسق و فجور کی جگہیں تعمیر کرتے ہیں۔ شراب خانے درباریوں کے مرکز بنائے ہیں مال وقف کو سینما پر خرچ کرتے ہیں۔ اگر اس قسم کے بیہودہ تشریفات اور سلطنت کے پر تکلف اخراجات نہ ہوتے تو خزانہ عامہ میں کمی نہیں ہوتی اور نہ ہی امریکہ کے سامنے سر جھکا کر قرض کا ہاتھ پھیلانا

کے انتقال کے بعد خلیفہ میں اختلاف ہونے کے باوجود اس میں کوئی اختلاف نہیں تھا کہ
خلیفہ کو لائق و قابل ہونا چاہئے، اختلاف صرف اس میں تھا کہ کون خلیفہ ہو؟

۱۔ اسلامی حکومت چونکہ قانون کی حکومت ہے اس لئے حاکم اسلامی کو قوانین کا عالم
ہونا ضروری ہے اور روایات میں بھی یہی ہے۔ بلکہ حاکم الٰہی کی ہیبت منحصر ہے، ہر شخص
دارو عالم ہونا چاہئے پس حاکم اسلامی کو علم کے لحاظ سے فضیلت ہونی چاہئے ہمارے
ائمہ نے اپنے، حقائق امامت کے لئے یہی دلیل دی ہے کہ امام کو دوسروں سے افضل
ہونا چاہئے۔ علماء شیعہ نے بھی دوسروں پر یہی اعتراضات کئے ہیں کہ
خلیفہ سے فلاں بات پوچھی گئی وہ جواب نہ دے سکے لہٰذا ان میں خلیفہ ہونے کی صلاحیت
نہیں ہے۔ فلاں کام خلاف اسلام انجام دیا۔ لہٰذا لائق خلافت و امامت نہیں
ہے اور فلاں فلاں... مسلمانوں کی نظر میں قانون دانی و عدالت شرط بنیادی
رکن ہے۔ کوئی دوسری شے اس میں دخیل نہیں ہے۔ مثلاً ملائکہ کی حقیقت کیا
ہے؟ خدا کے صفات کیا ہیں ان کو موضوع امامت میں کوئی دخل نہیں ہے جیسا کہ اگر
کوئی تمام علوم طبیعی کو حاصل کرے، طبیعت کی تمام قوتوں کا انکشاف کر دے علم
موسیقی میں مہارت تامہ رکھتا ہو تو اس وجہ سے وہ خلیفہ نہیں ہو جائے گا.. وہ
نہ اس وجہ سے ان لوگوں پر جو عالم قانون و عادل ہیں۔ [illegible] حکومت کے لئے
اس میں اولویت پیدا ہو جائے گی جو چیزیں خلافت سے مربوط ہیں وہ رسول کریم اور
ائمہ معصومین کے دور میں ان پر بحث ہو چکی ہے اور مسلمانوں کے درمیان مسلم چلی آئی
ہیں کہ حاکم و خلیفہ کو پہلے تو قانون دان ہونا چاہئے اور پھر عادل ہونا چاہئے عقائد و
اخلاق کمال بھی رکھتا ہو یہ مقصد ہمارے لئے بھی ضروری ہے کیونکہ عدل کی حکومت قانون کی حکومت ہے
وہ خود سری یا چند اشخاص کی مرضی پر حکومت کا نام نہیں ہے اگر حاکم اسلامی قانونی باتوں
کو نہیں جانتا تو حکومت کا اہل نہیں ہے کیونکہ اگر تقلید کرتا ہے تو حکومت میں

پڑتی۔ اور عدالت کے نام سے بھیک مانگنا پڑتی۔ سلطنت ان ہی اسباب کی بنا پر محتاج
ہو گئی ہے ورنہ ہمارے یہاں پیٹرول کی کمی تھی اور نہ ایسا ہے کہ ہمارے پاس ذخیرے
نہ ہوں ہمارے پاس سب کچھ ہے لیکن مفت خوری اور بیجا اخراجات نے مملکت کو بے چارہ بنا دیا
اگر یہ باتیں نہ ہوتیں تو ہمیں امریکہ کے سامنے سر جھکا کر بھیک نہ مانگنا پڑتی۔

اس کے علاوہ ضرورت سے زیادہ تشکیلات اداری اور کاغذ وغیرہ کا خرچ ہوتا ہے
کہ اسلام سے بالکل الگ چیز ہے اس قسم کے اخراجات کا بار حکومت پر
بھی ہوتا ہے جتنا حرام چیزوں پر ہوتا ہے۔ اس سسٹم کا اسلام سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں
ہے۔ یہ بیکار قسم کی تشریعات لوگوں کے لئے سوائے خرچ و زحمت معطل کے اور کچھ بھی
نہیں ہے۔ نہ اسلام سے اس کا کوئی واسطہ ہے۔ مثلاً اسلام نے اثبات حقوق، لڑائی جھگڑے
کے فیصلے، حدود کا جاری کرنا اور اس طرح کے دوسرے امور کے لئے جو قوانین وضع کئے
ہیں۔ وہ بہت سادہ، عملی اور جلد انجام پانے والے ہیں جس زمانے میں شرعی عدالتیں قائم
تھیں تو شہر کے اندر دو ایک آدمیوں کے ساتھ اور قلم دوات کے ساتھ تمام
معاملات کو فیصل کر دیا کرتے تھے اور لوگ اپنے کاموں میں لگ جاتے تھے۔ لیکن آج
کل کی عدالتیں پناہ بخدا! ان کے تشکیلات و تشریعات اتنے ہیں کہ خدا ہی جانے
اور بس بلاوجہ یہی چیزیں مملکت کو محتاج کرتی ہیں اور سوائے زحمت و معطلی کے ان کا
کوئی فائدہ نہیں ہے۔

رئیس حکومت کے شرائط

حاکم کے لئے جو شرائط ضروری ہیں ان میں شرائط عامہ مثلاً عقل و تدبیر وغیرہ
سے قطع نظر کرتے ہوئے دو بنیادی شرطیں۔ ۱۔ قانون کا علم۔ ۲۔ عدالت [illegible] کرم

جھٹلایا جاتا ہے، نہیں کرتا ہے تو قانون کو نافذ نہیں کر سکتا ہے اور یہ مسلم ہے کہ الفقہاء حکام علی السلاطین۔ سلاطین اگر اسلام کے پابند ہوں تو فقہا کی پیروی کرنا پڑے گی۔ اور احکام اسلام کو فقہاء سے پوچھنا پڑے گا۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ رسمی طور پر حکومت فقہاء ہی سے متعلق ہو۔ نہ ان لوگوں سے جو اپنی جہالت کی وجہ سے فقہا کے تابع ہیں۔ ہاں یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر منصب دار، سرحد کا نگران، حکومت میں کام کرنے والے سب کے سب قوانین اسلام کو جانتے ہوں اور فقیہ و مجتہد ہوں بلکہ جو عہدہ ان سے متعلق ہے اس کے بارے میں معلومات رکھتے ہوں۔ رسول خداؐ اور حضرت علیؑ کے زمانہ میں ایسا ہی تھا۔ حاکم اعلیٰ تو ان دونوں صفت کا حامل ہو، لیکن ذمہ دار اپنے متعلقہ عہدہ کے بارے میں معلومات رکھتے ہوں۔

۲۔ حاکم اعلیٰ کو کمال اعتقادی و اخلاقی پر فائز اور عادل ہونا چاہیئے اس کا دامن آلودہ عصیاں نہ ہو۔ حد جاری کرنے والے، بیت المال کے متصدی، مملکت کے آمد و خرچ کا متصدی، خدا کی مخلوق پر حکومت کرنے والے کو معصیت کار نہیں ہونا چاہیئے۔ لا ینال عہدی الظالمین خدا ظالم کو ایسے اختیار نہیں دیتا۔ حاکم اعلیٰ اگر عادل نہ ہوگا تو مسلمانوں کے حقوق دینے، مالیات کی وصولی کرنے اور قانون جزا کے جاری کرنے میں انصاف سے کام نہیں لے گا۔ اور ممکن ہے کہ یار دوست اور قرابت داروں کو معاشرہ پر حاکم بنا دے اور بیت المال کو اپنی ہوس رانی اور اغراض شخصی پر صرف کر ڈالے۔ لہٰذا حاکم اعلیٰ کا عادل ہونا ضروری ہے۔

اسی لئے طرز حکومت اور حاکم کے سلسلے میں پیغمبرؐ کے انتقال کے بعد زمانۂ غیبت تک شیعوں کا نظریہ بہت ہی واضح ہے۔ شیعوں کی بنا پر امام کو افضل،

عادل، احکام و قوانین کا عالم اور ان کے اجرا میں عادل ہونا چاہیئے

زمانِ غیبت میں حاکم اعلیٰ کے شرائط

آج کل یعنی زمانِ غیبت میں چونکہ اسلام کے حکومتی احکام باقی ہیں اور ہرج و مرج جائز نہیں ہے لہٰذا حکومت کی تشکیل ضروری ہے۔ عقل بھی اس کو ضروری سمجھتی ہے تاکہ حملہ آوروں کا دفاع کر سکیں۔ نوامیس مسلمین پر حملہ آور ہونے کا سدّباب کر سکیں۔ شرع مقدس نے بھی حکم دیا ہے جن لوگوں سے تجاوز کا خطرہ ہو ان کیلئے اپنے کو ہمیشہ آمادہ رکھو۔ افراد جو ایک دوسرے پر ظلم و تعدی کرتے ہیں ان کے روکنے کے لئے بھی حکومت کا ہونا ضروری ہے چونکہ یہ چیزیں خود بخود تو انجام پا نہیں سکتیں، لہٰذا ان کیلئے تشکیل حکومت ضروری ہے لیکن تشکیل حکومت مالیات چاہتی ہے۔ اس لئے شارع مقدس نے خراج، خمس، زکوٰۃ جیسی چیزوں کو معین کر دیا ہے۔

ابھی تک خدا کی طرف سے حکومت کو چلانے کے لئے زمانِ غیبت میں کسی کو متعین نہیں کیا گیا ہے تو ایسی صورت میں ہماری تکلیف کیا ہے؟ اسلام کو چھوڑ دیں؟ اب اسلام کی ضرورت نہیں ہے؟ اسلام صرف دو سو سال کے لئے تھا؟ یا یہ کہ اسلام نے تکلیف معین کر دی ہے لیکن ہم تکلیف حکومتی نہیں رکھتے؟ آخر کیا ہے؟

حکومت کے نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام سرحدیں مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائیں اور ہم بیچارگی کے ساتھ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں کہ وہ لوگ جو چاہیں کریں۔ اور ہم اگر ان کے کاموں میں تائید نہ کر سکیں تو رد بھی نہ کریں۔ کیا ایسا ہی ہونا چاہیئے؟ یا یہ کہ ہم کو تشکیل حکومت کرنی چاہیئے۔ اگر خدا نے زمانِ غیبت کے لئے کسی کو معین نہیں کیا ہے تو وہ حکومتی خاصیت جو زمانِ پیغمبرؐ سے زمانِ حضرت حجتؑ تک تھی وہ تو برقرار ہے یعنی

قانون دانی اور عدالت یہ خاصیت ہمارے دور کے بہت سے فقہا میں موجود ہے اگر یہ حضرات باہم مجتمع ہوں تو ایک عادل حکومت کی تشکیل کر سکتے ہیں۔

ولایت فقیہ

اگر کوئی شخص جس میں قانون دانی و عدالت کی صفتیں پائی جائیں تشکیل حکومت کرے تو ادارۂ معاشرہ کے لئے جو ولایت رسولؐ کے پاس تھی اسی ولایت کا یہ شخص بھی مالک ہوگا۔ اور تمام لوگوں پر اس کی اطاعت واجب و لازم ہوگی۔ یہ خیال کہ حکومتی اختیارات حضور اکرمؐ کو حضرت علیؑ سے زیادہ تھے یا حکومتی اختیارات حضرت علیؑ کے فقیہ سے زیادہ ہیں۔ باطل و غلط ہے۔ البتہ رسول خداؐ کے فضائل سب سے زیادہ ہیں۔ لیکن فضائل معنوی کی زیادتی حکومتی اختیارات کے افزائش کا سبب نہیں ہے۔ بلکہ تعیین حکام و استانداری، تیاری سپاہ، مالیات کو لے کر مسلمانوں کے مفاد میں خرچ کرنے کی ولایت و اختیارات جو حضور اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ کو تھے وہی اختیارات خدا نے حکومت فعلی کو دیئے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ کوئی شخص معین نہیں ہے بلکہ مراد عالم عادل ہے۔

ولایت اعتباری

رسول خداؐ اور ائمہؑ جس ولایت کے مالک تھے غیبت کے بعد فقیہ عادل اسی ولایت کا مالک ہے۔ اس جملہ سے کسی کو یہ خیال نہ پیدا ہو جائے کہ جو مقام ائمہ معصومینؑ کا ہے وہی مقام فقیہ عادل کا ہے کیونکہ مقام و منزلت سے بحث نہیں ہو رہی ہے۔ بلکہ وظیفہ و عہدہ سے بحث ہے۔ ولایت — یعنی انتظام دنیا، حکومت اور شرع مقدس کے قوانین کا جاری کرنا۔ ایک سنگین اور اہم ترین وظیفہ ہے۔ نہ یہ کہ یہ عہدہ پانے والا کسی غیر عادی مقام و منزلت کا دارا ہو جاتا ہے اور انسان عادی

سے بلند ہو جاتا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے اس کو یوں سمجھئے کہ عام لوگوں کے تصورات کے برخلاف ولایت وجہ امتیاز نہیں ہے۔ بلکہ یہ عظیم عہدہ ہے۔ ولایت فقیہ امور اعتباری عقلائی میں سے ہے جعل یعنی معین کرنا۔ اور کوئی واقعیت نہیں رکھتی۔ جیسے نابالغ بچوں پر کسی نگراں کا معین کرنا (یہی ولایت مراد ہے۔ مترجم) ملت قیم (نگراں) اور نابالغ کے قیم میں وظیفہ و عہدہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔

مثلاً امام کسی کو کسی کی تربیت کے لئے یا کسی کو کسی حکومت یا کسی منصب کے لئے معین فرمادیں تو اس میں رسولؐ و امامؑ و فقیہ میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی فقیہ بھی یہ کام کر سکتا ہے مثلاً منجملہ دیگر امور کے فقیہ حد جاری کر سکتا ہے۔ پس کیا حد جاری کرنے میں رسولؐ و امامؑ و فقیہ میں کوئی فرق ہے؟ یا چونکہ فقیہ کا مرتبہ امام سے کم ہے لہٰذا کم کوڑے لگوائے؟ زنا کی حد سو تازیانہ ہے۔ اب پیغمبرؐ ڈیڑھ سو اور حضرت علیؑ سو اور فقیہ پچاس ہی تازیانے لگوائے؟ یا یہ مقصد ہے کہ حاکم قوۂ اجرائیہ کا متصدی ہوتا ہے اس لئے چاہے وہ پیغمبرؐ ہوں یا حضرت علیؑ یا کوفہ و بصرہ میں کوئی قاضی یا حضرت کا نمائندہ یا فقیہ عصر سب ہی خدا کی متعین کردہ حد نافذ کر سکتے ہیں۔ فقیہ کا امام و رسولؐ کے برابر ہونے کا یہی مطلب ہے اس سے زیادہ نہیں۔

دوسری مثال:- رسول خداؐ اور حضرت علیؑ کا کام اخذ مالیات یعنی خمس، زکوٰۃ، خراج والی زمینوں سے خراج لینا ہی تھا۔ پیغمبرؐ کتنی زکوٰۃ لیں؟ مثلاً ایک جگہ سے دسواں اور دوسری جگہ سے بیسواں حصہ لیں؟ حضرت امیرؑ خلیفہ ہو کر کیا لینگے جناب عالی اگر فقیہ عصر و نافذ الکلمہ ہو گئے تو کیا کریں گے؟ کیا ان میں یعنی رسول خداؐ، حضرت امیرؑ و فقیہ عادل کی ولایت میں فرق ہے؟ ہرگز نہیں۔ خداوند عالم نے حضرت رسولؐ کو تمام مسلمانوں پر "ولی" بلکہ زندگی بھر حضرت امیرؑ پر بھی "ولی" قرار دیا ہے۔ رسول خداؐ کے بعد امام تمام مسلمانوں پر بلکہ اپنے بعد والے امام پر بھی ولایت رکھتے ہیں۔ یعنی ان کے حکومتی

امور پر نافذ ہیں۔ وہ قاضی و والی کو معین کر سکتا ہے معزول کر سکتا ہے یہی ولایت جو رسول خداؐ اور ائمہ کو تشکیل حکومت کیلئے ہے، فقیہ عادل کیلئے بھی ہے لیکن فقہاء اس معنی سے "ولی مطلق" نہیں ہیں کہ اپنے زمانے کے تمام فقہاء پر ولایت رکھتے ہوں اور دوسرے فقہاء کو عزل و نصب کر سکتے ہوں (یہ حق فقیہ عادل کو نہیں ہے) یہاں مراتب و درجات نہیں ہیں کہ ایک بالاتر مرتبہ پر فائز ہے اور دوسرا پست ترین مرتبہ پر فائز ہے۔ ایک والی ہے دوسرا والی تر ہے۔

اس وضاحت کے بعد فقہاء پر لازم ہے کہ اجتماعاً یا انفراداً سرحدوں کی حفاظت حدود کے اجراء کے لئے شرعی حکومت کی تشکیل کریں۔ اگر کسی کے لئے ایسا کرنا ممکن ہو تو اس پر واجب عینی ہے ورنہ واجب کفائی ہے۔ عدم امکان کی صورت میں ولایت ساقط نہیں ہوتی کیونکہ یہ حضرات خدا کی طرف سے منصوب ہیں۔ اگر زکوٰۃ، خمس، خراج و دیگر مالیات کو لے کر مسلمانوں کے مفاد میں صرف کر سکتے ہوں تو ایسا کرنا چاہئے حتیٰ کہ حدود بھی جاری کرنی چاہئے۔ ایسا نہیں کہ اگر ابھی حکومت عمومی کی تشکیل نہیں کر سکتے تو کنارے ہو جائیں بلکہ مسلمان جن امور کے محتاج ہیں اور حکومت اسلامی اس کی عہدہ دار ہے اس کے لئے فقہاء جتنا بھی کر سکتے ہیں اتنا انجام دینا چاہئے۔

ولایت تکوینی

امام کے لئے ولایت و حکومت کے اثبات کا لازمہ نہیں ہے کہ امام مقام معنوی نہ رکھتے ہوں۔ امام کے لئے حکومت سے قطع نظر مقام معنوی بھی ہے جس کو زبان ائمہ میں کبھی خلافت کلی الٰہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ امام کے لئے خلافت تکوینی ہے۔ جس کی وجہ سے دنیا کا ہر ذرہ ان کا تابع فرمان ہے۔ ہمارے ضروریات مذہب میں یہ

بات داخل ہے کہ کوئی بھی ان کے مقام معنوی تک نہیں پہنچ سکتا۔ چاہے وہ ملک مقرب یا نبی مرسل ہو۔ وہ بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اصولاً بنا بر روایات حضور اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ اس عالم سے پہلے عرش میں بصورت انوار تھے۔ یہ حضرات انعقاد نطفہ و خلقت میں بھی تمام انسانوں سے امتیاز رکھتے ہیں۔ وہاں کے مقامات تو ما شاء اللہ ہیں چنانچہ حدیث معراج میں جبرئیل کہتے ہیں لو دنوت انملۃ لاحترقت ایک انگل بھی آگے بڑھ جاؤں تو جل جاؤں۔ اور یہ فرمان تو معلوم ہی ہے جو معصوم فرماتے ہیں ان لنا مع اللہ حالات لا یسعھا ملک مقرب ولا نبی مرسل خدا کے ساتھ ہمارے ایسے حالات ہیں کہ جہاں تک ملک مقرب اور نبی مرسل کی بھی پہنچ نہیں ہو سکتی۔ ہمارے مذہب کے اصول کا جزو ہے کہ ائمہ کے لئے حکومت و ولایت سے پہلے وہ مقامات معنوی حاصل ہیں جو کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتے۔ نیز یہ مقامات معنوی حضرت زہراؑ کے لئے بھی ہیں حالانکہ وہ معصومہ نہ قاضی ہیں نہ حاکم نہ خلیفہ۔ یہ مقامات حکومت سے علیحدہ چیزیں ہیں۔ اسی لئے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت زہرا قاضی و خلیفہ نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہماری طرح ہیں یا یہ کہ ہمارے اوپر معنوی برتری نہیں رکھتیں۔ اسی طرح اگر کوئی کہے النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم تو اس نے حضرت کیلئے ایک ایسی بات کہی جو مومنین پر حکومت و ولایت سے بالاتر ہے۔ سردست ہم اس موضوع پر بحث نہیں کر رہے ہیں کیونکہ یہ دوسرے علم کا فریضہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ رسولؐ اور ائمہ کی جنس و فصل انسانی ہی سے الگ ہے۔ (مترجم)

بلند مقاصد کے حصول کیلئے حکومت ذریعہ و وسیلہ ہے

حکومت میں عہدہ دار ہونا ذاتی طور پر کوئی قیمت نہیں رکھتا بلکہ ابزار کے

احکام کے بطبعہ کو انجام دینے اور اسلام کے عادلانہ نظام کو برقرار رکھنے کا وسیلہ ہے۔
حضرت امیرؑ ابن عباس سے حکومت کے بارے میں فرماتے ہیں۔ "ابن عباس میری اس جوتی کی قیمت کیا ہوگی؟ (چونکہ جوتی بہت بوسیدہ تھی بولا) ابن عباس نے کہا کچھ بھی نہیں۔ یہ سن کر حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔ "تمہاری اس حکومت کی قدر و منزلت میرے نزدیک اس جوتی سے بھی کمتر ہے۔ البتہ اگر اس حکومت کے ذریعہ حق (یعنی قانون و نظامِ اسلام) کو برقرار رکھ سکوں اور باطل (یعنی ظالمانہ اور ناجائز قانون و نظام) کو جڑ سے اکھاڑ سکوں تب تو اس حکومت کی قدر ہے ورنہ کچھ نہیں۔ مترجم) بس حکومت و فرمانروائی صرف وسیلہ و ذریعہ ہے، مردانِ خدا کے نزدیک اگر اس سے کارِ خیر اور بلند مقام حاصل نہ ہو سکیں تو پھر اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے" اسی لئے نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں

"اگر میرے اوپر حجت تمام نہ ہو گئی ہوتی اور اس کام پر مجبور نہ کیا گیا ہوتا تو اس حکومت کو چھوڑ دیتا۔ حکومت صرف مقصد کا ذریعہ ہے خود کوئی مقام معنوی نہیں ہے اگر ذاتی طور پر حکومت کوئی مقام معنوی رکھتی ہوتی تو کوئی اس کو ائمہ سے غصب نہیں کر سکتا تھا۔ اگر حکومت و فرمانروائی احکام الٰہی کے اجراء کا وسیلہ اور اسلام کے عادلانہ نظام کی برقراری کا سبب ہو تب تو اس کی قدر و قیمت ہے اور حاکم کا مرتبہ بلند اور مقام معنوی زیادہ ہوگا۔

بعض حضرات جن کی نظر میں دنیا ہی دنیا ہے وہ خیال کرتے ہیں کہ حکومت ذاتی طور پر ائمہ کے لئے شان و بلند مقام ہے۔ اگر یہ کسی دوسرے کے ہاتھ آجائے تو دنیا درہم برہم ہو جائے۔ حالانکہ شوروی وزیر اعظم یا انگریزی وزیر اعظم یا امریکی صدر بھی حکومت پر فائز ہیں۔ یہ تو سچی بات ہے کہ کافر ہیں کافر سہی مگر حکومت و اقتدار سیاسی تو رکھتے ہیں اور اس حکومت سیاسی اقتدار و نفوذ کو اپنی کامیابی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ مگر فقہا و علماء کا فریضہ ہے کہ احکام الٰہی کے اجرا اور اسلام کے عادلانہ نظام کی برقراری کیلئے تشکیل حکومت کا سہارا

ہیں ورنہ بعض حکومت تو ان کے لئے سوائے رنج و زحمت کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ آخر کیا کریں؟ انجام وظیفہ کے لئے مامور ہیں۔ ولایت فقیہ کا موضوع ماموریت اور انجام وظیفہ کے سوا کیا ہے؟

حکومت کے بلند مقاصد

حضرت حکومت و فرمانروائی کی تصریح فرماتے ہیں کہ حکومت کا مقصد حق کو ثابت کرنا اور باطل کو نیست و نابود کرنا ہے۔ معصومؑ فرماتے ہیں۔ "خدایا تو جانتا ہے کہ ہم نے حصولِ منصب و حکومت کے لئے قیام نہیں کیا ہے بلکہ ہمارا مقصد مظلوموں کو ستمگاروں کے چنگل سے نجات دلانا ہے۔ جس چیز نے مجھے لوگوں پر حکومت کرنے کو آمادہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ خدا نے علماء سے عہد لیا ہے اور ان کو پابند بنایا ہے کہ ستمگروں کی پیٹ بھری اور شکم خوری پر اور مظلوموں کی گرسنگی پر سکوت نہ کریں۔" دوسری جگہ فرماتے ہیں "پالنے والے تو جانتا ہے کہ ہم نے جو کچھ بھی کیا وہ سیاسی قدرت کے حصول یا تمتعاتِ دنیا کے لئے نہیں کیا ہے۔" پھر آگے چل کر فرماتے ہیں "بلکہ یہ سب اس لئے تھا کہ تیرے دین کے روشن اصول کو دوبارہ واپس لائیں اور تیرے ملک میں اصلاح کو ظاہر کریں تاکہ تیرے مظلوم بندے بے خوف ہو جائیں اور معطل شدہ قوانین کو پھر سے جاری کریں۔"

ان مقاصد کے حصول کے لئے ضروری صفات

جن مقاصد کو حضرت علیؑ نے بیان فرمایا ہے اگر حاکم کے اندر یہ بلند مقاصد کو کوئی

٭ ... کے بعد مسجد مدینہ میں خطبہ ... جو ... نے حکومت کی ... کا ایک حصہ یہاں پر نقل کیا گیا ہے۔

حاکم عمل میں لانا چاہتا ہے تو اس کو ان صفات سے متصف ہونا چاہئے جن کی طرف ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے یعنی عالم قوانین ہونا چاہئے۔ اسی بات کی طرف حضرت علیؑ اشارہ فرماتے ہیں۔ "خدایا! میں پہلا وہ شخص ہوں جو تیری طرف متوجہ ہوا اور رسولؐ کی زبان پر جاری ہونے والے تیرے دین کو سنا اور قبول کیا... رسول خداؐ کے علاوہ کسی نے مجھ سے پہلے نماز نہیں پڑھی۔ اے لوگو! تم خوب جانتے ہو کہ ناموس، قانون، غنیمت، احکام اور مسلمانوں پر بخیل کی حکومت نہیں ہو سکتی۔ (اسی طرح) حاکم کو جاہل (از قوانین) نہیں ہونا چاہئے ورنہ اپنی جہالت کی وجہ سے لوگوں کو گمراہ کر دے گا۔ (اسی طرح) حاکم جفاکار اور سخت نہیں ہونا چاہئے ورنہ اس کی جفا کی وجہ سے لوگ اس سے قطع تعلق کر لیں گے۔ حاکم کو حکومتوں سے بھی نہیں ڈرنا چاہئے ورنہ ایک سے دوستی اور دوسرے سے دشمنی کر بیٹھے گا۔ حاکم کو قضاوت میں رشوت خوار نہیں ہونا چاہئے ورنہ افراد کے حقوق پامال کرے گا۔ اور حق کو حقدار تک پہنچنے نہ دیگا۔ حاکم کو سنت و قانون کا معطل کرنے والا نہیں ہونا چاہئے ورنہ امت گمراہ ہو سکتی ہے۔" توجہ فرمائیے اس روایت کے مطالب دو ہی موضوع کو بیان کر رہے ہیں۔ ایک علم دوسرے عدالت اور ان دونوں کو والی کے لئے ضروری صفت بتایا جا رہا ہے۔ ولا الجاهل فیضلهم بجهله علم کی طرف متوجہ کرتا ہے اور باقی عبارت عدالت کی تائید کرتی ہے۔ عدالت واقعی یہ ہے کہ حکومتوں سے ارتباط (۲) لوگوں سے معاشرت، عوام الناس سے معاملت، عدالت، فیصلے، اموال کی تقسیم میں حضرت علیؑ کا طریقہ اختیار کرے اور مالک اشتر کو لکھے ہوئے ہدایت نامہ کو پیش نظر رکھے۔ اس مکتوب میں اتنی عمومیت ہے کہ اگر فقہاء دور حاضر میں ہوں تو ان کو بھی مکتوب مالک اشتر کو اپنا دستور العمل بنانا چاہئے۔

احادیث سے ولایت فقیہہ

فقہاء عادل رسول اکرمؐ کے جانشین ہیں

ایک روایت جس کی دلالت میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔ "رسول خداؐ نے فرمایا: "خدایا! میرے جانشینوں پر رحم فرما۔" اس جملے کو تین بار تکرار کیا۔ پوچھا گیا۔ "حضور! آپ کے جانشین کون حضرات ہیں؟" "میرے بعد آنے والے" میری حدیث و سنت کو نقل کرنے والے اور میرے بعد اس کی لوگوں کو تعلیم دینے والے۔"

شیخ صدوقؒ نے جامع الاخبار، عیون اخبار الرضا، مجالس میں اس روایت کو پانچ طریقے سے جو تقریباً چار طریقہ ہوتا ہے۔ کیونکہ دو طریق بعض لحاظ سے مشترک ہیں۔ لہذا وہ دونوں ایک ہی ہیں۔ نقل فرمایا ہے۔ جن مقامات پر اس روایت کو مسند کیا گیا ہے ان میں سے ایک جگہ فیعلمونھا اور باقی مقامات پر فیعلمونھا الناس ہے جن مقامات پر اس روایت کو مرسل نقل کیا گیا ہے وہاں فقط صدر روایت تو ہے لیکن فیعلمونھا الناس من بعدی والا جملہ نہیں ہے۔

۱- میں اس روایت پر دو طرح سے بحث کروں گا۔ (۱) ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک ہی روایت ہے اور فیعلمونھا... والا جملہ حدیث کے آخر میں اضافہ ہے یا یہ کہ یہ جملہ تھا مگر بعد میں نقل سے رہ گیا۔ یہ دوسرا احتمال واقع سے زیادہ نزدیک معلوم ہوتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ... قول ہوں تو از روئے غلط یا اشتباہ اضافہ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ روایت کی طرح سے وارد ہوتی ہے اور حدیث کے راوی ایک دوسرے سے بہت دور زندگی بسر کرتے تھے ایک بلخ میں دوسرا نیشاپور میں تیسرا کسی اور جگہ رہ رہا تھا اس لئے یہ نہیں ہو سکتا کہ جان بوجھ کر جملہ زیادہ کیا گیا ہے اور یہ بھی عقل بعید ہے کہ چند افراد نزدیک دوسرے

سے الگ رہتے ہوں ہر ایک کے ذہن میں یہ بات آئی ہو، لہٰذا اگر آیہی حدیث ہے تو ہم کو یقین ہے یتعلمو منا الناس محمد صدوقؒ کی عقل ہیں ساقط ہو گیا ہے یا لکھنے والے لکھنے سے رہ گئے یا پھر صدوقؒ نے اس جملہ کو ذکر نہیں فرمایا[۱]۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ دو حدیثیں ہوں ایک میں یتعلمون منا ۔ ۔ والا جملہ رہا ہو اور دوسرے میں نہ رہا ہو۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ یہ جملہ حدیث میں تھا تو اس حدیث کے مصداق وہ حضرات ہرگز نہیں ہو سکتے جن کا مشغلہ صرف نقل حدیث تھا اور از خود کوئی رائے یا فتویٰ نہیں رکھتے تھے۔ اسی طرح اس حدیث کے مصداق وہ محدثین بھی نہیں ہو سکتے جو حدیث فہم نہیں تھے اور راس حدیث کا مصداق رب حامل فقہ لیس بفقیہ کے مصداق تھے (یعنی بہت سے حامل فقہ فقیہ نہیں ہیں)

(یعنی وہ حضرات جو احادیث کو ضبط کرتے تھے اور اخبار و روایات کو حاصل کر کے تحریر کرتے تھے اور لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ ان کو بھی خلیفۂ رسول اور علوم اسلامی کا معلم نہیں کہا جا سکتا اور نہ یہ لوگ حدیث کے مصداق ہیں۔ البتہ ان کی خدمات اسلام اور مسلمانوں کے لئے بہت قیمتی ہیں اور ان میں بہت سے فقیہ اور صاحب رائے بھی تھے۔ مثلاً کلینیؒ، صدوقؒ، صدوقؒ کے والد حضرات فقیہ تھے اور احکام و علوم اسلام کی لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔ جانے اس کہنے کا مطلب شیخ صدوقؒ و شیخ مفیدؒ میں فرق تھا یہ نہیں ہے کہ صدوقؒ فقیہ نہیں تھے یا ان کی فقاہت شیخ مفیدؒ سے کم تھی کیونکہ شیخ صدوقؒ تو وہ ہیں جنہوں نے ایک ہی نشست میں مذہب کے تمام اصول و فروع بیان فرمائے تھے ہیں

۱۔ وسائل الشیعہ کتاب قضا ۱۷ الباب صفات قاضی۔ ب ۸ حدیث ۵۰ تر ذیل حدیث میں وسائل ذکر ہے معانی الاخبار و مجالس میں مختلف سندوں سے منقول ہے جن میں بعض راوی مشترک ہیں جن میں تین بالکل مختلف طریقے سے درج ہے اور سب ایک دوسرے سے مختلف جگہ پر ہے تھے کوئی مزید کوئی ہے جس کو اپنی روایت میں رکھا تھا

شیخ صدوقؒ اور شیخ مفیدؒ اور ان جیسے دیگر مجتہدین میں یہ فرق ہے کہ شیخ مفیدؒ وغیرہ جیسے فقہا میں تھے جو اپنی سوچ کو دخل دیتے تھے۔ اور صدوقؒ ان فقہا میں سے تھے جو اپنی سوچ کو دخل نہیں دیتے تھے یا کم دخل دیتے تھے۔

یہ حدیث ان علماء کو شامل ہے جو علوم اسلام کو نشر اور احکام اسلام کو بیان کرتے ہیں اور ایسے صالح افراد کی تربیت کرتے ہیں جو دوسروں کو تعلیم دیں جیسا کہ حضور اکرمؐ اور ائمہؑ شروع سے احکام اسلام فرمایا کرتے تھے جو وہ درس رکھتے تھے اور ان حضرات کے مکاتب میں ہزاروں افراد علمی استفادہ کرتے تھے اور جو لوگوں کو تعلیم دینا اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ یعلمون منا الناس کا یہی مطلب ہے۔ اسلام کا تمام دنیا کے لئے ہونا واضحات میں سے ہے۔ مسلمانوں پر اور خصوصاً علمائے اسلام کا فریضہ ہے کہ احکام اسلام کو تمام دنیا میں معرفی کرائیں اور اگر ہم قائل ہو جائیں کہ جملہ یعلمون منا الناس۔۔ حدیث کے ذیل میں نہیں تھا تو پھر دیکھنا پڑے گا کہ پیغمبر اسلام کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے؟ اور اس صورت میں بھی یہ حدیث ان راویوں کو جو فقیہ نہیں شامل نہ ہوگی کیونکہ سنن الٰہی چونکہ پیغمبر کے واسطے سے ہم تک پہنچی ہیں لہٰذا ان کو سنت رسول بھی کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی سنن رسولؐ کو نشر کرنا چاہتا ہے تو اسے تمام سنن و احکام الٰہی کا عالم ہونا چاہیئے، صحیح و غیر صحیح میں فرق کر سکتا ہو۔ اطلاق تقیہ، عام و خاص، مجمل و متشابہ کی طرف متوجہ بھی ہو اور عالم تقیہ کی روایات کو دوسری روایات سے تمیز دے سکتا ہو۔ اور حل کرنے کے لیے جو میزان معین کی گئی ہے اس کو جانتا ہو، تب ہی وہ احکام الٰہی کو نشر کر سکتا ہے۔ (مترجم)

۱۔ جو محدثین مرتبۂ اجتہاد پر نہیں پہنچے ہیں اور صرف نقل حدیث کرتے ہیں اور ان امور کو نہیں جانتے اور رسول خدا کی سنت واقعی کو تشخیص و معین نہیں کر سکتے کی صورت نہیں رکھتے۔ ان کی رسول خدا کی نظر میں کوئی قیمت نہیں ہے اور نہ وہ حضرات مرد و دہ سمجھے گئے ہیں کیونکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ پیغمبر نعوذ قال رسول اللہ اور عن رسول اللہ۔ جو ہے ڈ

جو شہرت ہو گئی نہیں چاہتے تھے کہ یہ لوگوں میں مشہور ہو جائے بلکہ حضرت کی مراد سنت واقعی اور اسلام کے حقیقی احکام کو نشر کرنا ہے من حفظ علی امتی اربعین حدیثا حشرہ اللہ فقیھا جو میری امت میں سے چالیس حدیثیں یاد کر لے خدا اس کو فقیہ محشور کرے گا۔

یہ اور اس قسم کی روایتیں جو نشر احادیث کے نصائح میں وارد ہوئی ہیں ان سے قطعاً وہ محدثین مراد نہیں ہیں جو حدیث کے معنی ہی نہیں سمجھتے کہ حدیث کیسی ہے بلکہ اس سے افراد مراد ہیں جو رسول کی حدیث کو اسلام کے حکم واقعی کے مطابق تشخیص دے سکیں اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک آدمی مجتہد و فقیہ نہ ہو وہ احکام کے تمام تقاضوں جوانب کو پرکھ نہ سکتا ہو اور ائمہ معصومین کے بتائے ہوئے اصولوں سے اسلام کے واقعی احکام کو کھوج نہ سکتا ہو۔ ایسے افراد رسول اللہ کے خلیفہ ہیں جو احکام ہی کو اور علوم اسلامی کو لوگوں کے درمیان نشر کرتے ہیں اور انہیں کے بارے میں حضرت نے دعا فرمائی ہے کہ اللھم ارحم خلفائی۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ اللھم ارحم خلفائی والی حدیث حکایت کرنے والوں کے لئے نہیں ہے اور نہ یہ لوگ رسولِ خدا کے خلیفہ ہیں۔ بلکہ اس حدیث سے مراد فقہائے اسلام ہیں نشر احکام اور لوگوں کی تعلیم و تربیت فقہائے عادل سے متعلق ہے کیونکہ فقہا گر عادل نہ ہوں گے تو سمرہ بن جندب۔ اس نے حضرت علیؑ کے خلاف روایت جعل کی ہے اسلام کے خلاف حدیثیں جعل کریں گے اور اگر فقیہ نہ ہوں گے تو وہ نقدی احکام اسلام کو نہیں سمجھیں گے اور ممکن ہے کہ درباری ملاؤں کی طرح۔ درباری ملاؤں نے بادشاہوں کی تعریف میں حدیثیں جعل کی ہیں۔ خود سے حدیثیں جعل کرنے لگیں جیسا کہ آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ دو ضعیف حدیثیں لے کر ان لوگوں نے اتنا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے اور قرآن۔ جو سلاطین کی مخالفت کا حکم دیتا ہے جس نے موسیٰؑ کو بادشاہوں کے خلاف کھڑے ہو جانے کا حکم دیا ہے۔ کے مخالف ہیں، کھڑا کیا ہے ظالموں اور دین میں تحریف کرنے والوں کے

خلاف جو احادیث ہیں کہ جن لوگوں نے ان کو چھوڑ کر ضعیف روایتوں ۔ جن کو شاید بادشاہوں کے واعظین نے جعل کیا ہے۔ کا سہارا لیا ہے کہ بادشاہوں سے بگاڑنا نہیں چاہتے اور درباری ہونا چاہتے۔ اگر یہ لوگ واقعی دین شناس اور اہل روایت ہیں تو ان بہت سی روایات پر عمل کریں جو ظالمین کے خلاف آئی ہیں۔ اگر یہ اہل روایت ہوں بھی تو عادل نہیں ہیں اسی لئے اتنی زیادہ روایات سے چشم پوشی کر کے دو ضعیف روایت سے چپکے ہوئے ہیں یہ حب جاہ و شکم پری کا ہے جس نے انسان کو درباری بنا رکھا ہے۔ تقاضائے علم ہرگز یہ نہیں ہے۔ بہر حال علوم اسلام کا نشر فقہائے عادل سے متعلق ہے جو احکام واقعی و غیر واقعی کو عالم تقیہ کی روایات کو دوسرے سے تمیز دے سکیں۔ چونکہ ہمیں معلوم ہے کہ ائمہ بعض اوقات حکم واقعی کے بیان کرنے کے موقف میں نہیں ہوتے تھے احکام جور کے اسیر تھے۔ تقیہ کی زندگی بسر کرتے تھے اس لئے حکم واقعی ہمیشہ نہیں بیان کر سکتے تھے۔ البتہ جور کے خوف سے ائمہ کا تقیہ ہوا کرتا تھا کہ اگر تقیہ نہ کریں تو احکام جور مذہب کی جڑ دین سے اکھاڑ دیں، ائمہ اپنی جان کے خوف سے تقیہ نہیں کرتے۔

ولایت فقیہ پر حدیث کی دلالت واضح ہے کیونکہ خلافت تمام شؤون نبوت میں جانشینی کا نام ہے جملہ اللھم ارحم خلفائی کی دلالت علی خلیفتی سے کم نہیں ہے دونوں جملوں میں خلافت کے ایک ہی معنی ہیں اور الذین یاتون من بعدی یروون حدیثی والے جملے سے خلفاء کو پہچنوایا گیا ہے۔ خلافت کو نہیں پہچنوایا گیا۔ کیونکہ صدر اسلام میں خلافت کے معنی سب ہی کو معلوم تھے۔ اس کے بیان کی ضرورت ہی نہیں تھی اور خود سائل نے بھی خلافت کے معنی نہیں پوچھے تھے۔ بلکہ خلفاء کو معلوم کیا تھا تعجب اس پر ہے کہ ابھی تک خلیفتی یا ائمہ خلفائی سے کسی نے مسند محدثی نہیں سمجھا بلکہ اس سے ائمہ کی خلافت، حکومت پر استدلال کیا ہے۔ مگر جملہ خلفائی پر لوگوں نے توقف کیا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ خلافت رسول ایک خاص حد تک محدود

ہے۔ یا مخصوص اشخاص تک محدود ہے ۔ چونکہ سارے ائمہ خلیفہ ہیں اس لئے ان کے بعد علاء فرمانروا و حاکم و خلیفہ نہیں ہوسکتے اور اسلام کو بے سرپرست رہنا چاہئے ، احکام معطل رہیں ، سرحدوں پر دشمنوں کا قبضہ رہے اور ساری ایسی غلط باتیں ہوتی رہیں کہ جن سے اسلام کا دور سے بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔

۔ محمد بن یحیی عن احمد بن محمد عن ابن محبوب ، علی ابن حمزہ ' قال : سمعت ابا الحسن موسی ابن جعفر علیہما السلام یقول : اذا مات المؤمن بکت علیہ الملائکۃ وبقاع الارض التی کان یعبد اللہ علیہا ، وابواب السماء التی کان یصعد فیہا باعمالہ وثلم فی الاسلام ثلمۃ لا یسدہا شئ لان المؤمنین ، الفقہاء حصون الاسلام کحصن سور المدینۃ لہا ...

راوی کہتا ہے میں نے امام موسیٰ ابن جعفر سے سنا آپ فرما رہے تھے جب کوئی مومن (یا فقیہ مومن) مرجاتا ہے تو اس پر فرشتے ، زمین کے وہ ٹکڑے جن پر وہ خدا کی عبادت کرتا تھا اور آسمان کے وہ دروازے جن سے اس کے اعمال اوپر جاتے تھے ، یہ سب اس پر گریہ کرتے ہیں اور اسلام میں ایسا شگاف پڑ جاتا ہے ۔ جسے دنیا کی کوئی شے پر نہیں کرسکتی ۔ کیونکہ فقہاء ، مومن اسلام کے قلعے ہیں جیسے سور مدینہ کے قلعے مدینہ کے لئے ۔
کافی کے اسی باب میں ایک دوسری حدیث ہے جس میں اذا مات المؤمن کے بجائے اذا مات المؤمن الفقیہ ہے ۔ لیکن پہلی روایت کے ابتدائی حصے میں فقیہ کا لفظ نہیں ہے ۔ البتہ آخری حصے میں المومنین الفقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ فقیہ شروع میں رہ گیا اور ثلم فی الاسلام ، حصن اور اسی قسم کے لفظوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیہ کا لفظ رہ گیا ہے ۔ کیونکہ یہ سب فقہاء سے نسبت رکھتے ہیں ۔

۔ کافی ۔ کتاب فضل العلم ۔ باب فقد العلماء ۔ حدیث سوم

مفہوم روایت

مومنین فقہاء اسلام کے قلعے ہیں ۔ اس جملے سے معصوم فقہاء کو مامور فرمارہے ہیں کہ وہ نگہبان رہیں ، عقائد ، احکام اور نظام اسلام کی نگرانی کریں ۔ ظاہر ہے کہ معصوم نے تکلفاً یہ بات نہیں فرمائی ہے ۔ یہ اس قسم کے تعلقات نہیں ہیں کہ جیسے ہم لوگوں میں بھی رسوم ہیں کہ میں آپ کو سر بلند کہوں ۔ آپ مجھے شریعت مدار کہیں یا لفافہ کی پشت پر لکھتے ہیں " حضرت مستطاب حجۃ الاسلام "۔ اگر کوئی فقیہ گوشۂ تنہائی میں بیٹھ جائے کسی معاملے میں دخل نہ دے ، نہ قوانین اسلام کی حفاظت کرے ، نہ احکام اسلام کی نشر و اشاعت کرے ، مسلمانوں کے امور اجتماعی میں کسی قسم کا دخل نہ دے اور نہ مسلمانوں کے امور کا اہتمام کرے تو کیا ایسے فقیہ کو " حصن الاسلام " کہا جا سکتا ہے ؟ کیا وہ حافظ اسلام ہے ؟ اگر روسی حکومت کسی منصب دار یا سردار کو حکم دے کہ جاکر فلاں حصہ کی نگرانی کرو ، تو کیا اس کا فریضہ یہ ہے کہ گھر جاکر سو رہے تاکہ دشمن آکر اس حصہ کو غارت کردے یا اس کا فریضہ یہ ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس حصہ کی حفاظت کرے۔

اگر آپ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اسلام کی حفاظت کرنے والے ہیں تو میں آپ سے سوال
کروں گا کیا آپ نے صدر [illegible] کی طرح [illegible] جی نہیں۔ جواب پر شگاف ہو گیا۔ آپ جس کی نگرانی
کرتے تھے اسی [illegible] کا حصہ تباہ ہو گیا۔ کیا آپ مسلمانوں کی سرحدوں اور وطن اسلامی
کی تباہی [illegible] سے روکتے ہیں؟ جی نہیں۔ ہم تو دعا گو ہیں۔ لیجئے دیوار کا دوسرا
حصہ بھی ڈھ گیا۔ [illegible] تمام عمر کے حقوق بجز فقرا تک پہنچاتے ہیں؟ کیونکہ آپ کا اسلامی
فریضہ ہے کہ [illegible] سے غریبوں تک پہنچائیے۔ جی نہیں۔ ہم تو یہ نہیں کرتے۔
[illegible] ہم دیتے ہوں گے۔ لیجئے دیوار کا ایک حصہ اور برباد ہو گیا۔ آپ کی شکل
[illegible] سلطان حسین اور اصفہان کی جو گت بنی بھلا یہ کون سا قلعہ ہوا کہ جو اس [illegible] کے لئے
[illegible] "حصون الاسلام" سے سوال کرتا ہوں جواب نفی میں آتا ہے۔ کیا "حصن" کے یہی
معنی ہیں؟

فقہاء کا "اسلام کا قلعہ" ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ حفاظت اسلام
کرنے کے مکلف ہیں۔ ان کو ایسے طریقے اختیار کرنا چاہئیں کہ جس سے اسلام کی حفاظت
ہو سکے اور یہ اہم ترین واجب ہے بلکہ واجب مطلق ہے۔ واجب مشروط نہیں ہے۔ حوزہ
ہائے دینی کو اس کی فکر کرنی چاہئے اور اپنے کو ایسے لازم تشکیلات سے آراستہ کر لینا
چاہئے کہ جس سے اسلام کی نگہبانی ہو سکے جس طرح خود حضور اکرم عقائد و احکام کے
تمام معنی میں حافظ تھے لیکن ہم لوگوں نے سارے احکام کو چھوڑ کر بعض احکام کے پیچھے
پڑ گئے ہیں اور بندگی سے یہی ہم [illegible] رہی ہے۔ عام [illegible] ہو گیا ہے کہ بہت سے احکام اسلامی
علوم غریبہ جزو ہو گئے ہیں یعنی اسلام غریب ہے اور فقط اس کا نام باقی ہے۔ جو احکام
اسلام حدود تعزیرات قانون جزائی کی صورت کے تحت آتے ہیں اس وقت بالکل فراموش ہو گئے
ہیں۔ چنانچہ حدود کی آیات صرف تلاوت میں باقی ہیں۔ ہم تو یہ پڑھتے ہیں الزانیۃ
والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائۃ جلدۃ (زانی اور زانیہ کو سو کوڑے مارو)

ہمارا عمل صرف تلاوت تک محدود ہے۔ ہماری کوشش یہ رہتی ہے کہ صحیح
مخرج سے ادا ہو جائے مگر کیا ہم اس کے مکلف نہیں ہیں؟ اب اسلامی معاشرہ کا کیا
عالم ہو گیا ہے.... فحشاء و منکر کا کتنا رواج ہو چکا ہے۔ حکومتیں بدکاروں کی کس حد
پشت پناہی کرتی ہیں؟ ہم کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ بس گویا ہمارا فریضہ یہ ہے کہ
زانی و زانیہ کی کیا سزا ہے؟ اس کا علم ضروری ہے لیکن اس پر عمل بھی ضروری ہے
نہیں، اس سے کیا سروکار؟

میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ کیا رسولؐ اسی طرح قرآن کی تلاوت کر کے اسے گوشے
میں رکھ دیتے تھے۔ حدود و قانون کے اجراء کی کوئی فکر نہیں کرتے تھے؟ کیا خلفائے
رسولؐ مسائل لوگوں کو بتا کے فرما دیا کرتے تھے بس اب ہمیں تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے
یا اس کے برخلاف حدود معین تھے؟ کوڑے لگائے جاتے تھے۔ رجم کیا جاتا تھا۔ حبس دوام
کی سزا ہوتی تھی۔ شہر بدر کئے جاتے تھے۔ یہ سب ہوتا تھا کہ نہیں؟ ذرا اسلام کے
دیات اور حدود کے اصول ملاحظہ فرمائیے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام بعض چیزوں
کے لئے آیا ہے۔ اسلام معاشرہ کے اصلاح کے لئے آیا تھا حکومت و امامت اعتباری چیزیں
[illegible] کے لئے ہے؟ اسلام کی حفاظت ہمارا فریضہ ہے۔ یہ نماز روزہ سے بھی زیادہ اہم
ہے۔ اسی کے لئے خون بہایا جاتا ہے۔ امام حسینؑ نے اسی لئے قربانی دی تھی۔ کیا حسینؑ
کے خون سے زیادہ دنیا میں کسی کا خون اہم ہے؟ ہمیں خود بھی اس بات کو سمجھنا چاہئے اور
دوسروں کو بھی بتانا چاہئے۔ آپ خلفائے اسلام اسی وقت بنیں گے جب لوگوں کو اسلام
سکھائیں۔ یہ مت کہئے کہ چھوڑو امام زمانؑ جب آئیں گے تو یہ سب ہو گا۔ کیا آپ
نماز چھوڑ دیتے ہیں کہ جب امام زمانؑ آئیں گے تب پڑھی جائے گی؟ حفاظت اسلام نماز
سے زیادہ اہم ہے۔ خمین کے حاکم والی منطق۔ چلئے گناہ کرو تاکہ امام زمانؑ
کا ظہور جلد از جلد ہو جائے۔ اگر گناہوں کی کثرت نہ ہوگی تو امامؑ تشریف نہ لائیں گے۔

غرض بعثت انبیاء

یہ بھی بات ہے کہ بعثت انبیاء کا مطلب صرف مسئلہ گوئی نہیں تھا، ایسا نہیں ہے کہ مسائل و احکام بذریعہ وحی پیغمبر اسلام کے پاس آتے تھے اور حضرت رسول خدا اور جناب امیر و دیگر ائمہ صرف مسئلہ گو تھے ہیں کہ خدا نے ان حضرات کو اس بات پر متعین کیا تھا کہ بغیر کسی خیانت کے مسائل و احکام لوگوں تک پہنچا دیں اور یہ حضرات بھی اس امانت کو فقہاء کے حوالے کر دیں تاکہ یہ حضرات (فقہاء) بھی امانت بغیر خیانت لوگوں تک پہنچا دیں۔ اور العلماء امناء الرسل کا مطلب صرف مسئلہ گوئی میں امین ہونا ہے؟ بلکہ اہم ترین فریضہ ایک اجتماعی عادلانہ نظام کا قائم کرنا تھا جس کا لازمی نتیجہ بیان احکام و نشر تعالیم و معارف بھی

۱؎ کتاب کافی کتاب فضل علم باب ۱۳ حدیث ۵۔ بجز ان دو باتوں کے ہے جس کو مرحوم نراقی نے ذکر کیا ہے۔ مرحوم نوری نے مستدرک وسائل ابواب کتاب باب ۳۸ حدیث نوادر راوندی علیہ صحیح امام معصوم سے نقل کیا ہے۔ مرحوم صنف قاضی باب حدیث کتاب دعائم الاسلام سے بحار امام ششم سے نقل کیا ہے کافی میں بھی ایک روایت اسی مضمون کی ہے امام ششم نے فرمایا: علماء انبیاء کے امین ہیں جب تک وہ دنیا میں داخل نہ ہوں۔

ہے جیسا کہ اس آیت سے واضح ہے: لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معهم الكتاب والميزان ليقوم الناس بالقسط۔ واضح ہے۔ مجموعی طور پر بعثت انبیاء کا مقصد لوگوں کو عادلانہ سماجی روابط کی بنیاد پر منظم کرنا ہے اور یہ بات تشکیل حکومت و اجرائے قوانین سے حاصل ہوتی ہے۔ خواہ خود نبی جیسے ہمارے پیغمبر تشکیل حکومت کا موقع پائیں یا ان کے پیروکار اس فریضے کو انجام دیں۔

خمس کے سلسلے میں ارشاد ہے: واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه وللرسول ولذی القربی۔ یا زکوٰۃ کے لئے ارشاد ہے خذ من اموالهم صدقة یا خراجات کے لئے دستور معین کیا ہے۔ ان سب چیزوں کا مطلب فقط یہ نہیں ہے کہ لوگوں کے لئے احکام بیان کر دیں، بلکہ ان کے اجراء کے لئے بھی پابند کیا ہے جس طرح لوگوں میں نشر کرنا فریضہ ہے کہ خمس و زکوٰۃ وغیرہ لے کر مسلمانوں کے مفاد میں خرچ کرے۔ لوگوں میں عدالت قائم کرے، سرحدوں کی حفاظت اور حدود کا اجرا کرے، کسی کو حکومت اسلامی کے علاقوں پر بے جا تصرف نہ کرنے دے۔

یہ جو خداوند عالم نے اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر منکم کے ذریعے پیغمبر کو رئیس بنا کر ان کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پیغمبر مسئلہ بیان کریں تو ہم اس کو قبول کر لیں اور اس پر عمل کریں۔ احکام پر عمل کرنا تو اطاعت خدا ہے۔ بلکہ تمام عبادی و غیر عبادی کام جو احکام سے مربوط ہوں وہ سب اطاعت خدا ہیں۔ رسول کی متابعت، احکام پر عمل کرنا نہیں ہے۔ بلکہ دوسرا مطلب ہے اگرچہ ایک لحاظ سے رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے کیونکہ خدا نے خود ہی پیغمبر کی اطاعت کا حکم دیا ہے، مثلاً اگر رسول تمام لشکر کو اسامہ کے ساتھ جنگ کے لئے روانہ کریں تو یہ حکم خدا نہیں ہے بلکہ حکم رسول ہے اس لئے کہ خدا نے حکومت ان کے سپرد کر دی ہے اور حضرت بھی مصالح کی خاطر فوج روانہ کرتے ہیں

... متعلق ہے، یہاں بیٹھ کر صرف بحث سے کام نہیں چلے گا بلکہ تمام اسلام کا مطالعہ کیجئے، حقائق کو نشر کیجئے، رسالے وغیرہ میں لکھ کر منتشر کیجئے، اس کا اثر ہوگا، میرا تجربہ ہے کہ اثر ہوتا ہے۔

ــ ۲ ــ

علی بن ابیہ، عن النوفلی، عن السکونی، عن ابی عبد اللہ قال:
قال رسول اللہ ﷺ: الفقہاء امناء الرسل ما لم یدخلوا فی الدنیا
قیل یا رسول اللہ وما دخولہم فی الدنیا؟ قال اتباع السلطان فاذا
فعلوا ذلک فاحذروہم علی دینکم۔

رسول اللہ فرماتے ہیں: "فقہا جب تک دنیا کے پیچھے نہ پڑ جائیں، امین اور انبیا کے مورد اعتماد ہیں۔ پوچھا گیا: دنیا کے پیچھے پڑنے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: بادشاہوں کی پیروی کرنا۔ اگر ایسا ہو جائے تو ان سے اپنے دین کیلئے ڈرو۔"

اس حدیث کے تمام پہلوؤں پر بحث کے طولانی ہونے کا سبب بن جائے گی، اس لئے صرف ایک جملہ "الفقہاء امناء الرسل" جو ولایت فقیہ سے متعلق ہے، کے بارے میں گفتگو کرونگا۔ پہلے تو یہ دیکھنا ہوگا کہ انبیاء کے وظائف و اختیارات کیا ہوتے ہیں؟ تاکہ معلوم ہو جائے کہ فقہا کے امانت دار اور مورد اعتماد انبیا ہونے کا کیا مطلب ہے۔ انبیاء کے کیا فرائض ہیں؟

یا احکام قانونی تعیین کریں یا کسی کو معزول کریں تو حکم رسولؐ ہی ہوگا۔ حکومت، اجرائے قوانین، معاشرہ کا ادارہ، ملک کا دفاع، قضاوت وغیرہ میں فقہاء پیغمبر اسلام کے محل اعتماد ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ تمام وہ امور جو پیغمبروں سے متعلق ہیں، فقہاء عادل ان کی انجام دہی کیلئے مامور ہیں اگرچہ عدالت امامت سے اہم ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی شخص امور مالی میں امین ہونے کے باوجود عادل نہ ہو مگر حضور اکرمؐ کی مراد امناء الرسل سے وہی حضرات ہیں جو کسی حکم کی مخالفت نہ کریں، پاک و منزہ ہوں جیسا کہ حدیث کے آخر میں خود فرمایا ہے کہ جب تک مطامع دنیا میں جھمیلے میں نہ پڑ جائیں، پس اگر کوئی فقیہ مال دنیا جمع کرنے کی فکر میں لگا رہے تو وہ عادل نہیں ہے اور نہ رسول اکرمؐ کا امین ہے۔ صرف فقہاء عادل احکام اسلام کو جاری کر سکتے ہیں، اس کے نظام کو معین کر سکتے ہیں، حدود و قصاص کو جاری کر سکتے ہیں، مسلمانوں کے تمام وطن ارضی کی نگرانی کر سکتے ہیں۔

مختصر یہ کہ خمس، زکوٰۃ، صدقات، جزیہ، خراج کی تحصیل اور اس کو مسلمانوں کے مصالح میں صرف کرنے سے لے کر اجراء حدود و قصاص تک ـ جو حاکم کے زیر نگرانی ہو ـ حتیٰ کہ ولی مقتول بھی حاکم کی نظارت بے عمل نہیں کر سکتا۔ تمام وہ قوانین جو عمدہ حکومت سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے "سرحد کی حفاظت، شہر کا نظام" یہ سب کچھ فقہاء کے ذمہ ہے۔

جس طرح پیغمبرؐ اجرائے احکام اور برقراری نظام اسلام پر مامور تھے اور خدا نے ان کو حاکم قرار دیا، معین کر کے مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب قرار دی تھی، اسی طرح فقہاء عادل بھی رئیس و حاکم ہیں، ان کو بھی اجرائے احکام کرنا چاہئے۔ اسلام کے اجتماعی نظام کو برقرار رکھنا چاہئے۔

قانونی حکومت

چونکہ اسلامی حکومت قانون کی حکومت ہے۔ اس لئے قانون شناس بلکہ دین شناس فقہا ہی کو اس کا متصدی ہونا چاہئے۔ فقہا ہی کو ملک کے اداری و اجرائی امور کے نگران ہونا چاہئے۔ یہی حضرات احکام الٰہی کے اجراء، اخراجات، سرحدوں کی حفاظت، اجراء حدود کے امین ہیں۔ یعنی قانونِ اسلام کو معطل یا اجراء میں کمی و زیادتی نہ ہونے دینا چاہئے۔ اگر فقیہ زانی کو سو کوڑے لگانا چاہے تو شریعت کے معین کردہ طریقہ پر لوگوں کے درمیان سو تازیانے لگائے، ایک تازیانہ کی کمی یا زیادتی کا حق نہیں رکھتا۔ نہ ایک طمانچہ مار سکتا ہے نہ حبس دوام کی سزا دے سکتا ہے "بس جو حکم شریعت ہے اسی پر عمل کو محدود رکھے۔" اسی طرح اخراجات میں اسلامی قاعدے پر عمل کرے ایک پائی زیادہ دینے کا حق نہیں رکھتا۔ بیت المال میں ہرج مرج نہ ہونے دے کہ ایک پائی کا بھی نقصان ہو سکے۔ اگر نعوذ باللہ فقیہ خلاف اسلامی امور کا مرتکب ہو جائے، مثلاً فاسق ہو جائے تو خود بخود حکومت سے معزول ہو جائے گا کیونکہ اب وہ امین نہیں رہا۔

حصہ اول

تمام شد

حکومتِ اسلامی

حصہ دوم

درحقیقت قانون حاکم ہے اور سب ہی اس کے حفظ و امان میں ہیں مسلمان ہی نہیں بلکہ تمام لوگ حدودِ شرع کے اندر آزاد ہیں یعنی احکامِ شرع کی پابندی کے بعد کسی کو حق نہیں ہے کہ کسی سے کچھ کہے۔ مثلاً یہاں آؤ، وہاں بیٹھو، یہ سب کچھ نہیں ہے۔ حکومتِ اسلامی کا مطلب یہی ہے۔ آج کل کی حکومتوں کا سا معاملہ نہیں ہے کہ ہر شخص اپنے گھر میں بھی کانپتا رہتا ہے کہ مجھے گرفتار نہ کر لیں، جیسے معاویہ جیسے حضرات کی حکومتوں میں لوگوں کی آزادی سلب کر لی گئی تھی۔ لوگوں کو کوئی امان نہ تھی، صرف تہمت اور اتہام کی بنا پر لوگوں کو قتل کر دیا جاتا تھا، ملک بدر کیا جاتا تھا، حبس دوام کیا جاتا تھا، کیونکہ حکومت اسلامی تو تھی نہیں۔ اگر حکومت اسلامی قائم ہو جائے تو اس کے زیر سایہ ہر شخص امن و اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے گا۔ کسی کو خلاف قانون شرع اقدام کرنے کا حق نہ ہوگا۔

اس لئے "حبس" کے معنی یہ ہیں کہ قید بامشقت تو اسلام کا ... کے ساتھ ...

نہ یہ کہ صرف مسئلہ بیان کرتے رہیں۔ کیا امام صرف مسئلہ گو تھے؟ اور صرف قانون ہی بیان فرماتے تھے؟ کیا انبیاء صرف مسئلہ گو تھے؟ تاکہ فقہا صرف مسئلہ گو ہوں۔ یہ بھی ہے کہ وہاں میں مسئلہ گوئی اور بیان قوانین بھی وظائف فقہی سے متعلق ہیں۔ لیکن اسلام کی نظر میں قانون ایک آلہ ہے یعنی اصلاح اعتقادی و اخلاقی اور تہذیب انسانی اور دین شروع میں تحقیق عدالت کا وسیلہ و ذریعہ قانون ہے۔ انبیاء کا سب سے اہم ترین وظیفہ جو ہے وہ احکام کی حکومت تھا۔ امام رضا کی حدیث کا ذکر کیا کہ حضرت نے علت کو بیان فرمایا ہے کہ لوگوں کے لئے امام قیم امین کا ہونا ضروری ہے اور اس حدیث میں ارشاد ہے کہ فقہاء انبیاء کے امین ہیں۔ اس صغریٰ و کبریٰ کا نتیجہ یہ ہے کہ فقہاء کو ریاست ملنی چاہئے، اس لئے ضروری ہے تاکہ اسلام کے احکام مٹنے نہ پائیں۔

اسلام میں چونکہ فقہاء کی حکومت نہیں تھی اس لئے اسلام مندرس ہوگیا اس کے احکام معطل ہو گئے۔ دیکھئے امام رضا کا مقولہ کس قدر سچا ہے اور تجربہ نے بھی اس کی صحت کی تصدیق کر دی ہے۔

کب ـ کبھی اسلام مندرس نہیں ہوا، حکومت ہائے اسلامی میں اسلامی قوانین نافذ نہیں ہیں۔ حدود جاری نہیں کئے جاتے۔ احکام اسلام محفوظ نہیں ہیں۔ نظم اسلام برباد ہو رہا ہے۔ ہر جگہ ہرج مرج ہے۔ کیا ان باتوں کے باوجود اسلام مندرس نہیں ہوا۔ کیا اسلام یہی ہے کہ صرف کتابوں میں لکھ دیا جائے۔ مثلاً "کافی" کو کھول کر ایک کنارے ڈال دیا جائے مگر خارج میں احکام کا جو وجود ہو، حدود جاری نہ ہوں، چور کو سزا نہ ملے، بیچنے والا نشاست مگر ہم تم خود حضرات لیے گفتگو کرنا اور تکلف سے بیٹھیں، اور صرف قرآن کو چوم کر ایک گوشے میں رکھ دیں اور شب جمعہ سورہ یٰسین کی تلاوت کریں، کیا یہ کافی ہے کہ احکام اسلام محفوظ ہو گئے؟

چونکہ ہم میں بہتوں نے کبھی یہ فکر ہی نہ کی کہ اسلامی حکومت اسلامی نظم کے ساتھ منظم ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف بلاد اسلامی میں نظم اسلام برقرار نہیں ہے۔ اور اسلامی قوانین کی جگہ ظالمانہ قوانین رائج ہیں بلکہ اسلام خود اہل علم کے ذہنوں میں کہنہ ہو گیا

ہے۔ اسلام یہ ہے کہ جب گفتگو چلی ہے تو ارشاد حضرت الرسول کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرات صرف مسئلہ گوئی میں ہیں۔ یعنی یہ انبیاء کی تمام احادیث کی تاویل کرتے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ زمانہ غیبت میں علماء اسلام دنیا کے حاکم ہیں کیا یہ امانت داری ہے؟ کیا فقہا پر لازم نہیں ہے کہ احکام اسلام کو معطل ہونے دیں، تباہ کرنے والوں کو عبرتناک سزا دیں اور دین حکومت کی مخالفت میں گڑبڑ ہونے دیں؟ بدیہی سی بات ہے کہ ان چیزوں کے لئے امین کی ضرورت ہے۔ اور فقیہ کا وظیفہ امانت داری ہے۔

قضاوت کس کا حق ہے

عن محمد بن یحییٰ عن محمد بن احمد عن یعقوب بن یزید عن یحییٰ بن مبارک عن عبداللہ بن جبلہ عن اسحاق بن عمار عن ابی عبداللہ قال: قال امیر المومنین لشریح: یا شریح قد جلست مجلساً لا یجلسه (ما جلسه) الا نبی او وصی نبی او شقی[1]

حضرت علی شریح سے فرماتے ہیں: تم ایسی جگہ پر بیٹھے ہو جہاں نبی یا وصی نبی یا شقی کے علاوہ کوئی نہیں بیٹھ سکتا۔ ظاہر ہے شریح نہ تو نبی تھے نہ وصی، لہٰذا شقی تھے۔ شریح وہ شخص ہے جو ۵۰-۶۰ سال تک کوفے میں منصب قضا پر فائز رہے اور ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے معاویہ سے تقرب کی خاطر ایسے فتاوے جاری کئے ہیں جو حکومت اسلامی کے برخلاف تھے۔ حضرت علی بھی اپنے دور حکومت میں اس کو معزول نہ کر سکے کیونکہ شیخین کے زمانے میں مقرر ہو چکے تھے۔ لہٰذا لوگوں نے ان کو معزول نہیں ہونے دیا۔ البتہ حضرت علی

---

[1] وسائل الشیعہ، کتاب القضاء، باب ۳، حدیث ۲، "من لا یحضرہ الفقیہ" ج ۳ ص ۲ میں نقل کیا گیا ہے۔

نے ادا کیا خود رکھا ہے، خلاف مذہب کوئی حکم دیتے ہیں۔

قضاوت فقیہ عادل کا حق ہے

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قضاوت پیغمبر یا وصی پیغمبر کا حق ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ فقہاء عادل بسبب تعیین ائمہ منصب قضاوت کے اہل ہیں اور انہیں کا یہ حق ہے۔ البتہ روایت کا مسئلہ اختلافی ہے۔ مرحوم نراقی اور بعض متاخرین میں سے علامہ نائینی مرحوم تمام مناصب اور امام کے شئون و اختیارات کو فقیہ کے لئے ثابت مانتے ہیں اور بعض علماء منکر ہیں۔ لیکن منصب قضاوت فقیہ عادل کا حق ہے اس میں کوئی اشکال یا اختلاف نہیں ہے۔

چونکہ فقہا نبی تو ہوتے نہیں اور پیغمبر کے وصی بھی نہیں ہیں (وہ شخص نہیں ہیں جن کا اعلان کیا گیا) لہٰذا فقہا کو بہرحال ماننا پڑے گا، لیکن چونکہ "وصی نبی" سے لوگوں نے بلاواسطہ وصی مراد لیا ہے، اس لئے اس قسم کی روایت سے تمسک ہی نہیں کیا، لیکن مراد واقعی یہی ہے کہ "وصی نبی" کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ فقہا اس میں شامل ہیں البتہ بلافصل وصی حضرت علیؑ ہیں ان کے بعد ائمہ معصومین ہیں۔ اور فقہا کے امور انہیں پر محمول ہیں۔ یہی تصور نہ فرمائیے گا کہ منصب حکومت یا قضاوت کے لئے شان ہیں ان کی غرض صرف یہی ہے کہ حکومت عادلانہ قائم ہو، لوگوں میں عدالت اجتماعی قائم ہو۔ البتہ ائمہ کے روحانی درجات جو انسانی طاقت کے ادراک سے باہر ہیں۔ منصب حکومت سے مربوط نہیں ہیں (مقولہ کلی کی طرح فرض کیجئے) اگر حضرت رسول جناب امیر کو وصی بھی نہ بناتے تو حضرت علیؑ کے مقامات معنوی و روحانیت محفوظ تھے۔ یہ حکومت و منصب نہیں ہے کہ جس سے انسان کو شان و منزلت معنوی مل جائے بلکہ یہ وہ منزلت و مقام معنوی ہے جو انسان کو حکومت اور مناصب اجتماعی کے لائق و سزاوار بنا دیتے ہیں۔

علامہ کلام یہ ہے کہ مقصد رسول خدا کے بلاواسطہ اوصیا ہیں اور رسول خدا کی وراثت

جو امور ائمہ کو انجام دینے کے لئے تھے وہ فقہا کے لئے بھی ثابت ہیں فقہا کو رسول خدا کے تمام کاموں کا انجام دینا چاہیے۔

ایک روایت جو ہمارے مطلب کی دلیل ہے، مگر مرسلہ کے علاوہ ایک اور روایت سے معتبر ہے وہ ہے جو بطریق کلینی مروی ہے اور اس طریق سے ضعیف ہے لیکن علامہ صدوق نے اس کو سلیمان بن خالد کے واسطے سے نقل کیا ہے اور اس طریق سے صحیح و معتبر ہے روایت یہ ہے۔

> عن عدة من اصحابنا عن سهل بن زياد عن محمد بن عيسى عن ابي عبد الله المؤمن عن ابن مسكان عن سليمان بن خالد عن ابي عبد الله قال: اتقوا الحكومة فان الحكومة انما هي للامام العالم بالقضاء العادل في المسلمين لنبي او وصي نبي. رواه الصدوق باسناده عن سليمان بن خالد۔

امام (ع) نے فرمایا حکومت (قضاوت) سے اجتناب کرو کیونکہ حکومت صرف اسی امام کے لئے ہے جو قضاوت کا عالم ہو مسلمانوں کے درمیان عادل ہو۔ نبی ہو یا وصی نبی۔ ملاحظہ فرمائیے کہ انہی کے پیش نظر امام یعنی رئیس و پیشوا ہونا چاہئے۔ یہاں پر یہی لغوی معنی یعنی رئیس و پیشوا مراد ہیں۔ اسی لئے نبی کو امام بھی فرض کیا گیا ہے۔ اگر اصطلاحی معنی مراد ہوتے تو امام کے لئے عادل و عالم کی قید بیکار سمجھی جاتی (دیکھیے، امام تو عادل ہوگا ہی)۔ دوسری شرط یہ ہے کہ آئین قضاوت کا عالم ہو۔ اگر امام ہو اور آئین قضاوت کا عالم نہ ہو تو اسے کوئی حق قضاوت نہیں حاصل ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ عادل ہو۔ لہٰذا قاضی وہی ہو سکتا ہے جس کے اندر یہ تینوں صفتیں (یعنی امام، عالم، عادل) موجود ہوں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ یہ شرائط کے

۔ وسائل کتاب قضا باب ۳ حدیث ۳، ج ۱۸

نبی یا وصی نبی کسی اور پر مطلق منسوب ہو سکے۔

- میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ منصب فقہا نقیب و دل کے لئے ہے اور بات مرتبہ تقرب سے ہے اور اس میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ تقرر کے شرائط نقیب میں موجود ہیں کہ نہیں یہ تو معلوم ہے ہی کہ نقیب عادل مراد ہے ہر فقیہ مراد نہیں ہے۔ لیکن چونکہ ہر نقیہ طبقہ میں فقہا کا عام ہونا ہے اور فقیہ کا اطلاق اسی شخص پر ہوتا ہے جو دین نص کے عالم ہونے کے ساتھ متقی اور قوی ہو۔ لفظ اخلاق کا بھی عالم ہو۔ یہی تمام معنی [illegible] شناس ہو۔ نقیب عادل بھی ہو تو دو شرطیں پوری ہو گئیں۔ اب صرف ایک شرط رہ گئی کہ امام کو رسیں بھی ہونا چاہیئے اور معصوم۔ پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ نقیب عادل سبب تعیین اور تقرر کی امامت در راستہ کا اہم جز ہے۔ اب امام کا یہ فرمانا کہ یہ شرط۔ علم علاوہ [illegible] بھی یا وصی نبی ہیں۔ یہ جانتے ہیں۔ صاف صاف پتا چلتا ہے کہ علماء وصی نبی ہیں کیونکہ نبی تو نہیں بن سکتے وصی ہوں گے۔ بنا مجہول کا علم معلوم کے ذریعہ ہو گیا کہ نقیہ [illegible] کو امام کا وصی ہے۔ در زمان غیبت میں امام المسلمین و رئیس امامت ہے اسی کو قاضی بننا چاہیئے اس کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں ہے۔

رویداد ہائے اجتماعی میں کس کیطرف رجوع کریں

تیسری روایت ایک توقیع مبارکہ ہے جس سے استدلال کیا جاتا ہے جس کیفیت استدلال کو عرض کروں گا۔

فی کتاب اکمال الدین و اتمام النعمۃ عن محمد بن عصام عن محمد بن یعقوب عن اسحاق بن یعقوب قال سألت محمد بن عثمان العمری ان یوصل لی کتابا قد سألت فیہ عن مسائل اشکلت علی فورد التوقیع بخط مولانا صاحب الزمانؑ

اما ما سألت عنہ ارشدک اللہ ... الی ان قال واما الحوادث الواقعۃ فارجعوا فیہا الی رواۃ حدیثنا فانہم حجتی علیکم وانا حجۃ اللہ واما محمد بن عثمان العمری فرضی اللہ عنہ وعن ابیہ من قبل فانہ ثقتی وکتابہ کتابی۔

اسحاق بن یعقوب نے حضرت حجتؑ کو ایک خط لکھ کر کچھ مشکل مسائل کا حل دریافت کیا محمد بن عثمان عمری نمائندہ حضرتؑ نے خط حضرتؑ تک پہنچایا تو حضرتؑ نے اپنے قلم سے خط کا جواب تحریر کیا۔ حوادث واقعہ اور پیش آنے والے امور میں تم ہماری حدیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو۔ کیونکہ وہ لوگ تمہارے اوپر میری طرف سے حجت ہیں۔ اور میں خدا کی طرف سے حجت ہوں۔

اس روایت میں "حوادث واقعہ" سے مسائل و احکام شرعیہ تو مراد ہی نہیں۔ سائل یہ نہیں پوچھ رہا ہے کہ تازہ مسائل جو درپیش ہوں ان میں کیا کیا جائے؟ کیونکہ یہ بات تو مذہب شیعہ کے جزو ضروریات میں سے ہے اور متواتر روایات موجود ہیں کہ مسائل میں فقہا کی جانب رجوع کرنا چاہیئے۔ یہاں تک کہ زمان ائمہ میں بھی لوگ فقہا کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اور ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ حضرت حجتؑ کے زمانہ میں نواب اربعہ سے [illegible] لکھنے والے اور حضرتؑ کو خط لکھنے والے کو تو معلوم ہی ہوگا کہ مسائل کس سے پوچھنا چاہئیں۔

پس "حوادث واقعہ" سے وہ پیش آمدہ اجتماعی ہیں کیا کریں، [illegible] کیا ہے؟ یا پھر یہ کہ حوادث کا ذکر خط میں کر کے پوچھا گیا ہو کہ ان حوادث میں ہم کس کیطرف رجوع کریں۔؟

جواب کہیں [illegible] یہ ہے کہ [illegible] سوال تھا، اسی کے مطابق حضرت نے

۔ وسائل ج۱۸ کتاب القضاء باب ۱۱ حدیث ۹۔ شیخ طوسی نے کتاب الغیبۃ میں اور طبرسیؒ نے الاحتجاج میں روایت کی ہے۔ ۱۲

جواب دیا کہ حوادث و مشکلات میں ہمارے روات حدیث یعنی فقہا کی طرف رجوع کرو۔ وہ لوگ میری طرف سے تم پر حجت ہیں اور میں تم پر حجت خدا ہوں۔ حجت خدا سے کیا مراد ہے؟ آپ حجت خدا سے کیا سمجھتے ہیں؟ یعنی خبر واحد حجت ہے؟ اگر زرارہ کوئی روایت نقل کر دیں تو وہ حجت ہے؟ کیا حضرت زرارہ کی طرح ہیں کہ اگر رسولؐ کوئی روایت نقل کر دیں تو ہم اس کو قبول کریں اور اس پر عمل کریں؟

یہ جو کہا جاتا ہے کہ "ولی امر" حجت خدا ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ مسائل شرعیہ میں حجت ہے کہ جو مسائل بیان کریں؟ اگر رسول خدا مرتے وقت فرمائیں۔" میں علی کو تمہارے اوپر حجت معین کر کے جا رہا ہوں" تو اس سے آپ کیا سمجھیں گے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام کام معطل ہو گئے؟ صرف مسئلہ گوئی باقی ہے؟ وہ علی کے سپرد کر کے جا رہے ہیں؟ یا حجت خدا کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح رسول اکرم تمام دنیا کے مرجع تھے، خدا نے ان کو معین کیا تھا کہ تمام لوگ ان کی طرف رجوع کریں۔ اسی طرح فقہا بھی مسئلوں اور تمام لوگوں کے تمام امور میں مرجع ہیں۔

حجت خدا اس کو کہتے ہیں جسے خداوند عالم نے تمام امور کی انجام دہی کے لئے معین کیا ہے اور اس کے تمام افعال و اقوال مسلمانوں کے لئے حجت ہیں، اگر کوئی اس کی مخالفت کرے تو اس پر احتجاج کیا جا سکتا ہے، اگر اس نے حکم دیا کہ فلاں کام انجام دو، حدود کو اس طرح جاری کرو، غنائم، زکواۃ، صدقات کو ان مصارف میں خرچ کرو۔ اور آپ اس کے حکم سے سرتابی کریں تو قیامت کے دن خدا آپ پر احتجاج کرے گا۔ اگر حجت خدا کی موجودگی میں کوئی حل و فصل کے لئے ظالموں سے رجوع کرے گا تو روز قیامت خدا اس سے احتجاج کرے گا کہ میں نے تمہارے لئے حجت قائم کر دی تھی پھر تم نے ظالموں کی طرف کیوں رجوع کیا؟ حضرت علیؑ کے ہوتے ہوئے ان سے حدیث ذکر کرنے والوں سے خلفا و

معاویہ، خلفاء بنی امیہ، خلفاء بنی عباس اور جو لوگ ان کے جیسے مفسدانہ کام کیا کرتے تھے ان سب سے احتجاج کیا جائے گا کہ تم نے امور حکومت پر غاصبانہ قبضہ کیوں کیا؟ جب تم میں اہلیت نہیں تھی تو خلافت و حکومت پر کیوں قابض ہوئے؟

حکام جور اور تمام ان حکومتوں سے جو مدتوں دین اسلام کے خلاف عمل کرتی رہیں خدا ان سے بازپرس کرے گا کہ تم نے کیوں ظلم کیا۔ مسلمانوں کے اموال پر کیوں قابض ہوئے؟ جشن دو ہزار سالہ تم نے کیوں برپا کیا؟ لوگوں کے مال کو جشن تاج پوشی اور اس قسم کے جشنوں پر کیوں خرچ کیا؟ اگر جواب دیا جائے کہ آجکل عدالت ممکن نہیں تھی، قصر و بارگاہ، بلند عمارتوں کے بغیر عدالت ممکن نہیں تھی جشن تاج پوشی کا مقصد یہ تھا کہ یہاں کی دولت اور اپنی ترقی کا پروپیگنڈہ کروں تو کہا جائے گا یہ نہیں۔ حضرت علیؑ کی طرف اشارہ ہے۔ تو حاکم تھے، اتنی بڑی سلطنت اسلامی کے حاکم تھے، اسلام، مسلمان، بلاد اسلامی کی عظمت وغیرہ چاہیے تم زیادہ چاہتے تھے یا یہ مرد۔ تمہاری حکومت بڑی تھی یا ان کی؟ تمہاری تو ان کی حکومت کا ایک جزو تھی۔ عراق، مصر، حجاز، ایران یہ سب ان کی حکومت میں داخل تھے، اس کے باوجود ان کا "دار الامارۃ" مسجد تھی۔ گوشہ مسجد میں "دکۃ القضاء" تھا مسجد سے سپاہی تیار ہو کر جنگ کے لئے جاتے تھے۔ پابند صوم و صلوٰۃ باعقیدہ حضرات جنگ کے لئے جاتے تھے (اسی طرح) تم نے دیکھا کہ انہوں نے کتنی پیشرفت کی، اور کیسے کیسے کام انجام دیئے؟ آج فقہاء اسلام لوگوں پر رسول خدا کی طرح حجت ہیں، تمام امور ان سے متعلق ہیں۔ ان کی مخالفت کرنے والے سے بازپرس ہوگی۔

فقہاء امام کی طرف سے لوگوں پر حجت بنائے گئے ہیں۔ حکومت، امور مسلمین، عوامی آمدنی کا لینا اور خرچ کرنا۔ ان تمام امور میں جو ان کی مخالفت کرے گا،

اس سے بہتر پر مسلما ہوگی جس روایت کا ذکر ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے زیادہ سے زیادہ اس کی سند محل تامل ہے۔ اگر اس کو دلیل نہ بھی مانا جائے تو موید ضرور کہا جا سکتا ہے۔

قرآن مجید کی چند آیتیں

مقبولہ عمر بن حنظلہ بھی ہمارے موضوع بحث کی موید ہے چونکہ اس روایت میں آیت سے استدلال ہے اس لئے وہ آیت، وہ اس سے پہلے کی چند آیات کو لکھ کر ان کے معنی کا ذکر کر دیا جائے تاکہ اس کے حدود معلوم ہو جائیں پھر روایت کو ذکر کر کے اس سے استدلال کیا جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللہ نعما یعظکم بہ ان اللہ کان سمیعاً بصیراً۔ یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ذلک خیر و احسن تاویلا۔

خدا حکم دیتا ہے، امانتوں کو ان کے مالکوں تک پہنچا دو۔ اگر لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ۔ خدا تم کو بہترین نصیحت کرتا ہے۔ بیشک وہ سمیع و بصیر ہے۔ ایمان والو! خدا، رسولؐ، صاحبانِ امر کی اطاعت کرو اگر کسی چیز میں نزاع ہو جائے تو

---

۱ سورۃ النساء آیت ۵۸، ۵۹ = ۱۲

خدا و رسول کے سامنے پیش کرو اگر خدا اور روز قیامت پر ایمان لاتے ہو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ انتہی

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امانت سے مطلق امانت خلقی مال مردم۔ اور امانت خالقی یعنی احکام شرعیہ۔ مراد ہے اور "رد امانت" سے دقیق احکام اسلامی کا اجراء کرنا مراد ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ امانت سے امامت مراد ہے روایت میں بھی ہے کہ اس آیت سے ہم ائمہ مراد ہیں کہ خداوند عالم نے دو بیان امر یعنی رسول اکرمؐ ولایت کو حضرت علیؑ کے سپرد کر دیں اور آپ اپنے بعد کے امام کو اور وہ اپنے بعد والے کو اور یہ ہمیشہ کے لئے حکم ہے۔

ذیل کی آیت میں جو حکم ہے کہ انصاف سے فیصلہ کرو۔ اس سے مراد حاکمان وقت ہیں، قاضی مراد نہیں ہے کیونکہ قاضی تو قضاوت کرتا ہے نہ کہ تمام معنی اس کو حکومت کرتا ہے نہ حکم اجراء کا اس لئے قاضی مراد نہیں ہو سکتا۔ مترجم جیسا کہ آخری زمانے میں طریقہ حکومت یہ ہے کہ تین گروہ حاکم ہوتے ہیں۔ قاضی ان میں سے ایک گروہ ہے جو حاکم ہے لیکن تمام حکومت وہ نہیں کرتا۔ دو باقی گروہوں میں ایک تو وزیروں کا گروہ حاکم ہوتا ہے اور دوسرا مجلس (پارلیمان) قانون گزاران کا ہے۔ اصولی طور پر قضاوت رشتہ ہائے حکومت کا ایک رشتہ اور حکومتی کاموں میں سے ایک کام ہے لہٰذا ہم کو اس بات کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ آیت کا ظہور مسائل حکومت میں ہے اور یہ آیت قاضی اور جملہ حکام کو شامل ہے۔ جب یہ طے کر لیا گیا کہ تمام امور دینی کا نام امانت ہے اور امانت اس کے اہل کو ملنی چاہیئے تو ان میں سے ایک حکومت ہے جو فقیہا کو ملنی چاہیئے ______ اور جب

آیت شریفہ حکومت کا ہر امر میزان عدالت پر پورا اترنا چاہیئے ہے قاضی کو باطل حکم نہیں دینا چاہیئے یعنی جبر و ستم کی آئین کے مطابق حکم ذکر ہے اس طرح برنامہ ریزی کرنا چاہیئے

کہ کسی فوج پر بطور مالدار ٹیکس معین کریں ایسا نہ ہو کہ ٹیکس اتنا زیادہ ہو کہ ان کی بربادی کا سبب بن جائے۔ اس طرح خود تفریق کرنے والے مخالفین اسلام سے بھی مجھو تہ نہ کریں یعنی ایک حد تک زیادہ نہ ماریں اہانت نہ کریں۔

حضرت امیر المومنینؑ اس یہودی کے ہاتھ کٹوا دینے کے بعد ان سے اس طرح پیش آتے ہیں کہ ان کا ایسا علاج معالجہ کرتے ہیں کہ وہ دونوں حضرتؑ کے مداحوں میں ہو جاتے ہیں یا جب وقت کہنے پر سنا کہ معاویہ کے سپاہی نے ایک ذمی کی عورت سے ایک پیر کی جھانجھن اتاری تو آپ کو اتنی تکلیف ہوئی اور اتنا متاثر ہوئے کہ فرمایا۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر اگر کوئی مر جائے تو قابل ملامت نہیں ہے، اس نرم دلی و محبت کے باوجود تلوار کھینچ کر مفسد افراد کو قتل کرنے میں کوئی دریغ نہیں فرماتے تھے۔

اسی کو عدالت کہتے ہیں۔ یہی عدالت ہے۔

رسول اکرم حاکم عادل ہیں۔ اگر آپ حکم دیں۔ کہ فلاں چیز کو لے لو فلاں گھر میں آگ لگا دو۔ فلاں گروہ جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے مضرت رساں ہے اسے قتل کر دو۔ تو یہ حکم مبنی بر عدالت ہوگا۔ بلکہ اگر ایسے موقع پر حضرتؐ اس قسم کا حکم نہ دیں تو خلاف عدالت ہوگا۔

مسلمانوں اور اسلامی معاشرہ پر حکومت کرنے والے کے لئے جہت عمومی اور مفاد عامہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا واجب و لازم ہے۔

جہت خصوصی و عطوفت شخصی سے چشم پوشی کرنی چاہیئے۔ اسی لئے اسلام معاشرہ کے مفاد کے پیش نظر بہت سے لوگوں کو قتل کر دیتا ہے۔ خود پیغمبر اسلام نے بنی قریظہ کے یہودیوں کو۔ چونکہ یہ لوگ ناپسندیدہ عناصر تھے، معاشرہ اسلام کو نقصان پہنچانے والے تھے، قتل کر دیا تھا۔

حمایت کی جگہ پر بکمال جسارت و قدرت اجرائے عدالت کرنا اور کسی بھی

نرم دلی کو دخل نہ دینا۔ اسی طرح رحم و نرم دلی کے موقع پر کمال محبت و شفقت سے پیش آنا۔ یہ دونوں باتیں مومن کے صفات میں داخل ہیں۔ مومن کو لوگوں کے لئے جائے پناہ ہونا چاہیئے۔ اسلامی و غیر اسلامی معاشرہ اس کے سایۂ حکومت میں امن و آسائش کے زندگی بسر کر سکے کسی قسم کا خوف اس کو نہ ہو۔ یہ سب باتیں ضروری ہیں۔ آجکل لوگ جو حکام وقت سے ڈرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی حکومت قواعد و قوانین کے ماتحت نہیں۔

البتہ حضرت علیؑ کی شخصی حکومت میں۔ یعنی اسلامی حکومت میں۔ خائن و ظالم تعدی کرنے والوں کے لئے تو خوف تھا، لیکن عام لوگوں کو کسی بھی قسم کا خوف و ہراس نہیں ہوا کرتا تھا۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے "ایمان والو اطاعت کرو خدا رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت کرو"۔ روایت میں ہے کہ آیت اولی "ان تؤدوا الامانات الی اھلھا"۔۔ ائمہ سے مربوط ہے۔ اور آیت۔ اذا حکمتم بین الناس ۔ مراد سے مربوط ہے اور یہ آیت۔ اطیعوا اللہ میں خدا اور رسولؐ و ائمہؑ کی اطاعت و پیروی کریں۔

میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اوامر خدا کی اطاعت رسول اکرم کی اطاعت سے الگ ہے، تمام عبادات اور غیر عبادات۔ احکام شرع الہی۔ خدا کے احکام ہیں۔ نماز میں رسول خدا کا کوئی حکم نہیں ہے۔ لوگوں کو نماز کے لئے آمادہ کرنا حکم خدا کی تائید اور اس کا اعلان ہے ہم بھی نماز پڑھنے میں خدا کی اطاعت کرتے ہیں۔ رسول کی اطاعت خدا سے الگ ہے۔ رسول خدا کے احکام وہ ہیں جو خود حضرت صادر فرماتے ہیں اور حکومتی حکم ہیں۔ مثلاً لشکر اسامہ کی پیروی کرو۔ سرحدوں کو اس طرح محفوظ رکھو۔ مالیات کو یوں جمع کرو۔ لوگوں سے یوں معاشرت کرو۔ خود خداوند عالم نے ہمارے اوپر رسولؐ کی اطاعت لازم قرار دی ہے۔ اسی طرح ائمہؑ کی اطاعت

بھی لازم قرار دی ہے کیونکہ مذہب شیعہ میں اولی الامر سے مراد ائمہ ہیں۔ حکومتی احکام میں ولی امر کی اطاعت بھی خدا کی اطاعت سے علیحدہ بات ہے۔ ہاں اس لحاظ سے کہ خدا نے رسول و ائمہ کی اطاعت کا حکم دے دیا ہے لہٰذا ان حضرات کی اطاعت بھی درحقیقت خدا ہی کی اطاعت ہے۔ اسی آیت کے بعد ارشاد ہے فان تنازعتم فی شئ فردوہ ۔ اگر باہم کسی بات پر نزاع ہو جائے تو خدا و رسول کی طرف رجوع کرو۔

لوگوں میں واقع ہونے والی نزاع کی دو قسمیں ہیں (۱) دو گروہ یا دو آدمیوں میں کسی بات پر نزاع مثلاً ایک کہتا ہے میرا قرض ہے، دوسرا انکار کرتا ہے۔ ایسی جگہوں پر قاضی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ قاضی موضوع کی تحقیق کر کے حکم دے گا۔ اس قسم کے جھگڑوں کو "نزاع حقوقی" کہا جاتا ہے۔

دوسری قسم ظلم و جنایت کا مسئلہ ہے مثلاً کسی نے کسی کا مال زبردستی لے لیا۔ یا لوگوں کے مال کو ہضم کر لیا یا چوروں نے مال چرا لیا، یہاں پر مسئول قاضی نہیں ہے بلکہ مدعی العموم مسئول ہے اور یہ مسائل جزائی کہلاتے ہیں۔ کبھی جزائی اور حقوقی یکجا ہوتے ہیں ابتداء میں مدعی العموم جو احکام و قوانین کا محافظ ہے اپنا کام شروع کرتا ہے، پھر قاضی تحقیق کر کے حکم کرتا ہے، اور یہ سارے احکام حقوقی ہوں یا جزائی۔ اجرا کرنے والے حکام کے ذریعہ اجرا ہوتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے فان تنازعتم... الخ جس مورد میں بھی اختلاف ہو۔ احکام میں مرجع خدا اور [illegible] اجراء میں۔ رسول اکرم ہیں رسول کا فریضہ ہے کہ خدا کے احکام لے کر اجرا کریں۔ اگر اختلافی موضوع ہوتا تھا تو [illegible] ہیں۔ پیغمبر بعنوان قاضی دخل دیتے تھے اور فیصلہ فرماتے تھے اور اگر دوسرے مسائل ہوتے تھے، مثلاً حق کشی وغیرہ تو اس میں بھی مرجع حضور ہی ہوتے تھے۔ کیونکہ اسلامی حکومت کے رئیس ہونے کے ناتے آپ ہی فیصلہ کرتے تھے [illegible]

کو بھیج کر حق سے محروم نہیں کرتے تھے، بہت مشہور و ظاہر ہے کہ جن امور میں رسول خدا مرجع تھے ان سب میں ائمہ معصومین بھی مرجع تھے، اور ائمہ کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے

مختصر یہ کہ آیت اول۔ اذا حکمتم بین الناس ۔ دوسری آیت ۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول ۔ اور آیت ۔ فان تنازعتم فی شئ ۔ حکومت و قضاوت دونوں کو شامل ہے۔ صرف قضاوت سے مخصوص نہیں ہے۔ اس بات سے قطع نظر بعض آیات کا ظہور حکومت بمفہوم اجرائی میں ہے

اس کے بعد ہے ۔

الم تر الی الذین یزعمون انہم آمنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ ....

ترجمہ۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ آپ پر نازل شدہ اور آپ سے پہلے نازل شدہ چیزوں پر ایمان لائے ہیں وہ طاغوت۔ ناجائز حکومت۔ سے داد خواہی کرنا چاہتے ہیں حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ طاغوت کا انکار کریں۔ اگر ہم یہ بھی نہیں کہیں کہ طاغوت سے حکومت الٰہی کے مقابلے میں سلطنت و حکومت قائم کرنے والی حکومتیں بطور کلی مراد ہیں پھر بھی اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ یہ آیت قضاوت و حکام کو شامل ہے، کیونکہ داد رسی اور احقاق حقوق کے لئے مقامات قضا کی طرف ہی رجوع کیا جاتا ہے اور پھر حکم قضا کو حکام اجرا کرتے ہیں۔ حکومت ہے جو [illegible] خواہ قضات ہوں یا اجرا کرنے والے یا دوسری اصناف سب کے سب طاغوت ہیں کیونکہ یہی لوگ حکم خدا سے سرکشی کر کے اپنی حسب مرضی قوانین وضع کر کے اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ حالانکہ حکم خدا ہے کہ ان سے انکار کرو اور یہ بات بدیہی ہے کہ طاغوت کے منکرین کے اہم فرائض میں سے ہے کہ حتی الامکان تگ و دو کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

مقبولہ "عمر بن حنظلہ"

اب میں عمر بن حنظلہ کی روایت کے بارے میں گفتگو کروں گا، جس سے کیا مراد ہے۔ چنانچہ اصل حدیث ملاحظہ ہو۔

محمد بن یعقوب، عن محمد بن یحییٰ، عن محمد بن الحسین، عن محمد بن عیسیٰ، عن صفوان بن یحییٰ، عن داؤد بن الحصین، عن عمر بن حنظلہ قال: سألت ابا عبد اللہ علیہ السلام عن رجلین من اصحابنا بینھما منازعۃ فی دین او میراث فتحاکما الی السلطان والی القضاۃ ایحل ذلک؟ قال: من تحاکم الیھم فی حق او باطل فانما تحاکم الی الطاغوت وما یحکم لہ فانما یأخذ سحتا وان کان حقا ثابتا لہ، لانہ اخذہ بحکم الطاغوت وما امر اللہ ان یکفر بہ، قال اللہ: یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ۔ قلت: فکیف یصنعان؟ قال: ینظران من کان منکم ممن قد روی حدیثنا ونظر فی حلالنا وحرامنا وعرف احکامنا۔ فلیرضوا بہ حکما فانی قد جعلتہ علیکم حاکما

ترجمہ :- عمر بن حنظلہ کہتے ہیں کہ میں نے، اپنے دو ایسے دوستوں (شیعوں) کے بارے میں امام جعفر صادق سے پوچھا کہ ان لوگوں نے قرض یا میراث کے جھگڑے میں بادشاہ وقت اور قاضی کی طرف رجوع کیا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟ حضرت نے فرمایا، "جو بھی حق یا ناحق

۱۔ وسائل الشیعہ، باب ۱۱، کتاب القضاء، ابواب صفات القاضی، روایت اول صفحہ ۲

بات میں ان لوگوں سے فیصلہ کرائے تو اس نے درحقیقت طاغوت کی طرف رجوع کیا ہے اور جو کچھ بھی ان کے حکم سے حاصل کرے گا، چاہے وہ حق ہی ہو پھر بھی حرام رہے گا۔ کیونکہ اسے طاغوت کے حکم سے حاصل کیا ہے جس سے انکار کا حکم خدا نے دیا تھا۔

چنانچہ ارشاد ہے یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ۔ میں نے پوچھا پھر کیا کرنا چاہیے؟ تو ارشاد فرمایا کہ اپنے لوگوں میں دیکھو اگر کوئی ایسا شخص مل جائے جو ہماری حدیثوں کا راوی ہو اور ہمارے حلال و حرام کو بھی سمجھتا ہو ہمارے احکام و قوانین کی معرفت رکھتا ہو اس کو تم لوگ اپنا قاضی معین کرو، وہ جو حکم دے اس پر عمل کرو کیونکہ میں نے اس کو تم پر حاکم بنایا ہے۔

آپ کے سوال اور امام کا آیۂ شریفہ سے استشہاد کرنا بتاتا ہے کہ موضوع سوال حکم کلی تھا اور امام نے بھی تعلیق کلی کو بیان کیا۔ میں نے پھر پوچھا کہ حقوقی اور جزائی جھگڑوں میں بادشاہان وقت اور جابر حکومتوں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ حضرت نے جواب میں فرمایا۔ ناجائز حکومتوں کی طرف رجوع کرنا، چاہے وہ جھگڑے اجرائی ہوں یا قضائی، ناجائز ہے۔

حضرت حکم دے رہے ہیں کہ امت اسلامیہ کو اپنے معاملات میں سلاطین یا حکام جور اور ان کے قاضیوں کی طرف نہیں جانا چاہیے۔ چاہے حق ثابت ہو اور صرف حصول حق کی خاطر یہ اقدام کیا گیا ہو۔ کسی مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ حکام جور کی طرف رجوع کرے۔ چاہے اس کے گھر کو جلا دیا گیا ہو۔ یا اس کے بیٹے کو قتل کر دیا گیا ہو۔ اسی طرح اگر اس نے کسی کو قرض دیا ہے اور اس کے پاس گواہ بھی موجود ہے پھر بھی وہ ظالم حکمرانوں کی طرف اپنا حق حاصل کرنے کے لئے رجوع نہیں کر سکتا کیونکہ ان لوگوں کی طرف رجوع کرنا طاغوت کی طرف رجوع کرنا ہے اور اگر کسی نے ان حکام جور کے واسطے سے اپنے حقوق کو بھی حاصل کر لیا ہے تو وہ حرام ہے اور شخص اس میں تصرف نہیں کر سکتا۔ یہاں تک بعض مجتہدین

نے جس شخص کے لئے بھی فرمایا ہے کہ مثلاً اگر کوئی تمہاری عبا لے جائے اور تم حکام جور کے وسیلے سے اس عبا کو واپس بھی لے لو، تب بھی اس پر تصرف نہیں کر سکتے ہم اس حکم کے قائل ہیں کیونکہ جب بھی عین کسی کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے، مثلاً اگر کوئی اپنے قرض کو حکام جور کے وسیلے سے حاصل بھی کر لے تو اس پر تصرف نہیں کر سکتا۔

اسلام کا سیاسی حکم

یہ اسلام کا سیاسی حکم ہے کہ اس حکم کے سبب سے مسلمانوں کو حکام جور کی عدالت کے لیے چھوڑ دے اور پریشان کر دینے والے قاضی خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ کیونکہ آج کسی کی عدالتوں میں سوائے زحمت کے اور کچھ نہیں ہے۔ اگر لوگ ظالم حکومتوں سے پرہیز کرنے لگیں تو ائمہ معصومین ان کی طرف سے معین کئے ہوئے علماء اور مجتہدین کی طرف خود بخود مائل ہو جائیں گے۔ حضرت کا اصل مقصد بھی یہی تھا کہ ظالم بادشاہ اور قاضیوں کی طرف لوگ جانے نہ پائیں۔ اس سے ملت اسلام کو یہ بتا دیا کہ لوگ تم سے مرجع نہیں ہیں خود فقہاء ہیں ان سے پوچھنے کا حکم دیا ہے کیونکہ اگر تم لوگ ان کے منکر ہو اور ان کو نالائق و ظالم سمجھتے ہو تو پھر ان کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہئے۔

علماء اسلام مرجع امور ہیں

اب ملت اسلام کی تکلیف کیا ہے؟ اپنے تنازعات پر کیا کریں؟ کس کی طرف رجوع کریں؟ معصوم نے فرمایا۔ اختلافات میں جو لوگ حسب قواعد حلال و حرام کو جانتے ہیں، میزان عقلی اور شرعی سے ہمارے احکام کی معرفت رکھتے ہیں۔ ہمارے ان راویان حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ امام نے بالکل واضح لفظوں میں فرما دیا تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ محدثین بھی مرجع اور حاکم ہیں۔ تمام مراتب کو ذکر کر کے یہ قید لگائی کہ مطابق قواعد حرام و حلال اور احکام کی معرفت رکھتا ہو، اصول کا عالم ہو۔ تاکہ تقیہ یا اور کسی بنا پر جو روایتیں خلاف واقع آگئی ہیں ان میں تمیز کر سکے۔ اور یہ بات تو واضح ہے کہ حدیث کی شناخت اور حکم کی معرفت الگ چیز ہے۔ حدیث کا نقل کرنا الگ بات ہے

علماء حکومت کیلئے معین ہیں

امام فرماتے ہیں جس شخص میں مذکورہ بالا شرائط پائی جائیں اس کو ہم نے تم پر فرمانروا بنایا ہے اور امور حکومتی اور قضائی کے لئے میری طرف سے وہی شخص معین ہے۔ مسلمانوں کو سوائے اس کے کسی اور کی طرف رجوع کرنے کا حق نہیں ہے۔

اس بنا پر اگر کوئی تمہارا مال کھا لے تو تم ایسے شخص سے شکایت کرو جسے امام نے معین کیا ہے۔ اسی طرح اگر قرض کے بارے میں جھگڑا ہے، اور اس کا اثبات

مقصود ہے تو اس میں حضرت کے معین کئے ہوئے قاضی کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ کسی اور کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ یہ حدیث تمام مسلمانوں کا ہے الیا نہیں ہے کہ عمر بن حنظلہ کو کوئی مشکل در پیش ہوئی تھی اور امام نے صرف اسی کیلئے حکم دیا ہو۔ امام کا یہ فرمان مطلق و عموم کلی ہے۔ نبی ظاہری حکومت کے زمانے میں جس طریقے سے حضرت علیؑ حاکم، والی اور قاضی معین فرمایا کرتے تھے اور تمام مسلمانوں پر لازم تھا کہ ان کی اطاعت کریں۔

اسی طرح امام جعفر صادقؑ بھی رئیس امر ہیں، تمام معاد و فقہ اور دنیا کے لوگوں پر حکومت رکھتے تھے۔ آپ کو یہ حق ہے اپنی زندگی میں اور مرنے کے بعد حاکم و قاضی معین فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے یہ کام کیا، اور اس منصب کو فقہاء کے لئے مخصوص کر دیا اور حاکم کا لفظ کہہ کر یہ بتا دیا کہ فقط امور قضائی مقصود نہیں ہیں بلکہ تمام امور حکومتی سے مربوط ہے۔

روایت کے صدر ذیل سے اور اس آیت سے جس کو حدیث میں ذکر کیا گیا ہے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ صرف قاضی کا معین کرنا مقصود نہیں ہے کہ امام فقط قاضی کو مقرر کر رہے ہوں اور دیگر تمام امور میں مسلمانوں کی کوئی تکلیف معین نہ فرمائی ہو۔ یہ روایت بہت واضح ہے اس کی سند و دلالت میں کوئی شبہ نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی شک ہے کہ امام نے حکومت اور قضاوت کے لئے فقہا کو معین فرمایا ہے۔ تمام مسلمانوں پر امام کے اس حکم کی پابندی لازم ہے۔

اپنے مطلب کو واضح کرنے کے لئے اور دوسری روایات سے تائید کے لئے میں ابی خدیجہ کی روایت کو بیان کرتا ہوں۔

محمد بن حسن باسنادہ عن محمد بن علی بن محبوب، عن

احمد بن محمد، عن حسین بن سعید، عن ابی الجہم، عن ابی خدیجہ قال: بعثنی ابو عبد اللہ (ع) الی اصحابنا فقال: قل لہم ایاکم اذا وقعت بینکم خصومۃ او تداری فی شیء من الاخذ والعطاء ان تحاکموا الی احد من ہؤلاء الفساق اجعلوا بینکم رجلا قد عرف حلالنا وحرامنا فانی قد جعلتہ علیکم قاضیا وایاکم ان یخاصم بعضکم بعضا الی السلطان الجائر۔

(وسائل: ۸ / ۱۰۰ روایت ۶)

ابو خدیجہ۔ امام جعفر صادقؑ کے معتمد اصحاب میں سے ہیں۔ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے مجھے حکم دیا کہ حضرت کی طرف سے ان کے شیعوں کو یہ پیغام پہنچا دو کہ اگر تم لوگوں میں لڑائی جھگڑا ہو جائے یا لینے دینے کے معاملے میں اختلاف ہو جائے تو اس فاسق جماعت کی طرف فیصلہ کے لئے رجوع مت کرنا بلکہ تم میں جو شخص حلال حرام کو پہچانتا ہو اس کو اپنا حاکم بنا لینا کیونکہ میں نے ایسے شخص کو تمہارے اوپر قاضی معین کیا ہے۔ خبردار تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی شکایت بادشاہ ظالم تک نہ پہنچائے۔

روایت میں تداری فی شیء کے لفظ سے اختلاف حقوقی مراد ہے یعنی اختلاف حقوقی میں ان فاسقین کی طرف رجوع نہ کرنا اور حضرت کے اس جملہ میں نے تمہارے اوپر قاضی مقرر کیا ہے سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسقین سے مراد وہ قاضی لوگ ہیں جو حاکم وقت کی طرف سے منصب قضا پر قائم تھے۔ حدیث کے آخر میں وضاحت فرماتے ہیں اپنے جھگڑوں میں ظالم بادشاہ کی طرف رجوع نہ کرنا یعنی وہ امور جو قضاوت اجرائی سے مربوط ہیں ان میں ان کی طرف رجوع نہ کرنا۔ اگر سلطان با لعموم کلی ہے اور تمام غیر اسلامی حکومت کو شامل ہے اور حکومت کے تینوں گروہ

کو بھی شامل ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے (اور یہ بھی تقاضا ہے مراجع کو بیکار گیا ہے) تو معلوم ہوگا کہ اس موافقت کا تعلق اجرا کرنے والوں سے ہے۔ آخری جملہ پہلے والے مطلب کی تکرار نہیں ہے کیونکہ پہلے قاضی فاسق کی طرف رجوع کرنے سے روکا گیا ہے، اس کے بعد بادشاہوں کی طرف رجوع کرنے سے روکا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں باتیں الگ الگ ہیں۔ عمر ابن حنظلہ کی روایت ہے تا ور بادشاہوں سے انصاف چاہنے کو روکا گیا ہے اس سے بھی اشارہ دونوں باتوں کی طرف ہے۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ اس روایت میں تعیین قاضی کو فرمایا ہے اور عمر ابن حنظلہ کی روایت میں اجرا کرنے والے حاکم اور قاضی کا بھی ذکر ہے۔

کیا علماء منصب حکومت سے معزول ہیں؟

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ امام نے اپنی زندگی میں — بنا بر اس روایت کے — منصب قضاوت کو فقہا کے لئے معین کیا ہے۔ اور بنا بر روایت عمر ابن حنظلہ دونوں چیزیں یعنی (ریاست و قضاوت) فقہا کے حوالے کی گئی ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب امام دنیا سے رحلت کر جائیں تو کیا فقہا خود بخود اس عہدے سے معزول ہو جائیں گے؟ تمام وہ قاضی اور حاکم جنہیں ائمہ نے معین کیا تھا ائمہ کے مرنے کے بعد کیا وہ لوگ ریاست قضاوت کے منصب سے معزول ہو جائیں گے یا نہیں؟ اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ وضع ولایت امام دوسروں سے فرق رکھتا ہے اور بنا بر مذہب شیعہ ائمہ کے تمام احکام ان کی زندگی اور موت کے بعد بھی واجب اور لازم الاتباع ہیں۔ دیکھنا چاہئے کہ وہ مناصب جو انہوں نے لوگوں کے لئے معین کئے گئے ہیں ان کی کیا حیثیت ہے؟

آجکل کی حکومتیں چاہے وہ شاہی ہوں یا جمہوری یا کسی اور طرح کی اگر

صدر جمہوریہ یا بادشاہ وفات کر جاتا ہے یا انقلاب آجاتا ہے تو منصب بالکل ختم نہیں ہو جاتا۔ مثلاً سفیر اپنے عہدہ سے ہٹ نہیں جاتا یعنی سفارت سے معزول نہیں ہو جاتا، وزراء اپنی جگہ سے نہیں ہٹ جاتے بلکہ سب اپنے عہدوں پر باقی رہتے ہیں البتہ بعد میں آنے والا بادشاہ یا رئیس جمہوریہ ان لوگوں کو ان کے عہدہ سے ہٹا سکتا ہے۔ لیکن بادشاہ یا رئیس جمہوریہ کے مرنے پر عہدے خود بخود ختم نہیں ہوتے۔

ہاں بعض ایسے امور ہیں جو خود بخود ختم ہو جاتے ہیں مثلاً اجازہ حسبیہ یا مجتہد کسی کو کسی شہر کی وکالت دے دے تو مجتہد کے مرنے کے بعد یہ چیزیں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ لیکن اگر فقیہ کسی کو نابالغ بچے کا نگران یا وقف جائداد کا متولی بنا دے تو فقیہ کے مرنے کے بعد یہ عہدے ختم نہیں ہوتے۔

منصب علماء ہمیشہ محفوظ ہے

جس طرح ائمہ نے ریاست و قضاوت جو فقہاء کے سپرد کیا ہے وہ منصب ہمیشہ محفوظ ہے۔ امام چونکہ تمام باتوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ان کے یہاں غفلت کا امکان نہیں تھا اور یہ بات بھی جانتے تھے کہ بنیادی حکومتیں رئیس کے ہٹ جانے سے کسی کو عہدے سے ختم نہیں ہوتے۔ اس لئے اس بات کی تشریح نہیں فرمائی اور نہ اگر یہی ہوتا کہ امام کے مرنے کے بعد ان کے معین کردہ حکام اپنے عہدے سے معزول ہو جاتے تو امام یقینی طور پہ یہ فرما گئے ہوتے کہ فقہاء کے لئے یہ عہدہ اسی وقت تک ہے جب تک میں زندہ ہوں میرے مرنے کے بعد لوگ اپنے عہدہ سے معزول ہو جائیں گے۔ اس لئے اس روایت

کے بنا پر، علماء اسلام عصر حاضر میں کی طرف سے حکومت وقت کے لئے معین ہیں وہ یہ عہدہ علماء کے لئے ہمیشہ محفوظ ہے۔ اب رہا یہ احتمال کہ ممکن ہے بعد والے امام نے اس حکم کو ختم کر دیا ہو، اور فقہاء کو ان کے عہدہ سے معزول کر دیا ہو تو یہ بہت نادر ہے۔ کیونکہ امام خود ہی فرماتے ہیں "اپنا حق لینے کے لئے بادشاہوں اور قاضیوں کی طرف رجوع نہ کرنا" ان لوگوں کی طرف رجوع کرنا طاغوت کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اس کے بعد آیات قرآنی سے استدلال بھی فرمایا ہے کہ خدا نے حکم دیا ہے کہ طاغوت کا انکار کرو۔ اور پھر خود ہی امام لوگوں کے لئے قاضی و حاکم معین کر رہے ہیں اگر بعد والے امام اس عہدہ کو بھی ختم کر دے اور دوسرا حاکم و قاضی بھی نہ معین کر سکے تو اس وقت مسلمانوں کی تکلیف کیا ہوگی؟ اختلافات میں کس کی طرف رجوع کریں گے جن کی طرف رجوع کرنا طاغوت کی طرف رجوع کرنے کے برابر ہے۔ اور حکم خدا کے بھی خلاف ہے۔ یا ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں اور مسلمانوں کا کوئی جائے پناہ نہ ہو جس کا جی چاہے دوسروں کا مال کھائے۔ دوسروں کے حق پر قبضہ کر لے، جو چاہے سو کرے۔

ہمیں یقین ہے کہ امام جعفر صادق نے جو عہدہ فقہاء کے لئے معین کر دیا ہے اس کو امام موسیٰ کاظم یا ان کے بعد دوسرے اماموں نے ختم نہیں کیا یقینی یہ نہیں ہو سکتا کہ چھٹے امام کے بعد کوئی بھی امام چھٹے امام کے حکم کو توڑ دے اور یہ کہہ دے کہ اب تم لوگ فقہاء عادل کی طرف رجوع نہ کرو۔ یا یہ کہہ دے کہ بادشاہ وقت کی طرف رجوع کرو۔ یہ کہہ دے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہو اور اپنے حقوق کی پامالی دیکھتے رہو ایسا ممکن ہی نہیں ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ امام ایک شہر کے لئے قاضی معین کریں اور امام کے انتقال کے بعد دوسرا دوسرا امام قاضی کو معزول کر کے دوسرے شخصوں کو قاضی بنا دے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ امام اس عہدے کو ہی ختم کر دیں۔ یہ بالکل نامعقول سی بات ہے۔

جس روایت کا سب میں نے ذکر کر رہا ہوں یہ ہمارے مطلب کی مؤید ہے اگر ہماری

دلیل ان روایات میں سے کسی ایک روایت پر منحصر ہوتی تو اپنے مطلب کو ثابت نہیں کر سکتے تھے، لیکن اصول مطلب کو دیکھئے اور جن روایتوں کو میں نے پہلے ذکر کیا ہے ان کی دلالت بھی تمام تھی۔

صحیحۂ قداح

علی ابن ابراہیم، عن ابیہ، عن حماد بن عیسیٰ، عن القداح (عبد اللہ بن میمون)، عن ابی عبد اللہ (ع) قال: قال رسول اللہ: من سلک طریقاً یطلب فیہ علماً سلک اللہ بہ طریقاً الی الجنۃ وان الملائکۃ لتضع اجنحتہا لطالب العلم رضا بہ وانہ لیستغفر لطالب العلم من فی السماء ومن فی الارض حتی الحوت فی البحر و فضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر النجوم لیلۃ البدر وان العلماء ورثۃ الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دیناراً ولا درہماً ولکن ورثوا العلم فمن اخذ منہ اخذ بحظ وافر (1)

امام جعفر صادقؑ پیغمبر اسلام کا قول نقل فرماتے ہیں کہ جو طالب علم کے لئے جاتا ہے خدا اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیتا ہے اور ملائکہ اظہار خوشنودی کے لئے طالب علم کے پیروں کے نیچے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔ زمین و آسمان والے یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں طالب علم کے لئے استغفار کرتی ہیں۔ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں شب میں چاند کی فضیلت دوسرے ستاروں پر

---

(1) کافی ج ۱، باب العالم والمتعلم ح ۲، ص ۳۴

علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء مال و دولت کے بجائے اپنی میراث علم کو قرار دیتے ہیں۔
لہٰذا جو بھی علم حاصل کرتا ہے وہ بہت زیادہ فائدہ حاصل کرتا ہے۔

اس روایت کے تمام راوی یہاں تک کہ علی بن ابراہیم کے والد ابراہیم بن ہاشم بھی ثقہ ہیں جن کی وثاقت متفقہ ہے۔ یہ روایت بصائر میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ دوسری سند سے بھی منقول ہے، جو ضعیف ہے یعنی ابو البختری تک تو سند صحیح ہے خود ابو البختری ضعیف ہیں۔

روایت ملاحظہ فرمائیے۔

عن محمد بن یحیی عن احمد بن عیسی عن محمد بن خالد عن ابی البختری عن ابی عبد اللہ (ع) قال: ان العلماء ورثۃ الانبیاء و ذلک ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا و انما اورثوا احادیث من احادیثھم فمن اخذ بشیء منھا فقد اخذ حظا وافرا فانظروا علمکم ھذا عمن تاخذونه فان فینا اھل البیت فی کل خلف عدولا ینفون عنه تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاھلین (۲)

امام جعفر صادق فرماتے ہیں

علماء انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ انبیاء کسی قسم کا مال میراث میں نہیں چھوڑتے۔ بلکہ اپنی احادیث بطور میراث چھوڑ جاتے ہیں۔ اس لئے جو بھی ان کی احادیث سے کچھ حاصل کرے درحقیقت اس نے بہت بڑا حصہ حاصل کر لیا۔ لہٰذا یہ دیکھو کہ تم نے یہ علم کس سے حاصل کیا ہے۔ کیونکہ ہم اہل بیت پیغمبر ہر نسل کے اندر کچھ عادل افراد رکھتے ہیں جو مبالغہ کرنے والوں کی تحریف، دروغ گو باطل پرستوں کی غلط نسبت اور جاہلوں کی تاویل کو دین سے دور کرتے رہتے ہیں۔ دلیل دین کو ہر قسم کے تغیرات سے پاک کرتے رہتے ہیں

روایت کی تحقیق

اس روایت کے نقل کرنے کے بعد مقصد اس روایت سے مرحوم مازندرانی نے بھی شک کیا ہے، جملہ "العلماء ورثۃ الانبیاء" کے بارے میں چند بحث کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ علماء سے کون حضرات مراد ہیں؟ امت کے علماء یا ائمہ معصومین؟ بعض کا خیال ہے کہ اس سے ائمہ مراد ہیں۔ لیکن بظاہر اس سے امت کے علماء مراد ہیں اور خود حدیث بتاتی ہے کہ اس سے ائمہ مراد نہیں ہیں! کیونکہ ائمہ کے حق میں وارد ہوتے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں، یہ جملے۔ انبیاء نے میراث میں حدیثیں چھوڑی ہیں جو ان کو حاصل کرے اس کو بہت بڑا حصہ مل گیا۔ ائمہ کے لئے نہیں ہو سکتے یہ جملے شاہد ہیں کہ اس سے علماء امت مراد ہیں۔ اسی طرح ابو البختری والی روایت میں "العلماء ورثۃ الانبیاء" والے جملے کے بعد ارشاد ہے۔ "دیکھو تم اپنا علم کس سے حاصل کرتے ہو؟" اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علماء انبیاء کے وارث تو ہیں لیکن ان کو اس پر توجہ رکھنی چاہیئے کہ وہ اپنے علم کو کس سے حاصل کرتے ہیں تاکہ انبیاء کے وارث بن سکیں ظاہر ہے کہ ائمہ کسی سے تعلیم حاصل نہیں کرتے لہٰذا ائمہ مراد نہیں ہو سکتے۔ (مترجم) اب یہ کہنا کہ مراد یہ ہے کہ ائمہ انبیاء کے وارث ہیں اور لوگوں کو ائمہ سے علم حاصل کرنا چاہیئے۔ یہ بات خلاف ظاہر ہے جیسے کہ ائمہ کے بارے میں الگ حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ ان کی منزلت رسول خدا کے نزدیک کیا تھی۔ اس کو جانتے ہیں وہ خود بخود سمجھ گئے کہ اس سے ائمہ مراد نہیں ہو سکتے بلکہ امت کے علماء مراد ہیں، اور علماء کے شان میں اس قسم کے فضائل روایات میں بکثرت موجود ہیں میری

امت کے علماء سابق انبیاء کی طرح ہیں"۔ "میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء جیسے ہیں"۔

بہر صورت ظاہر یہی ہوتا ہے کہ اس سے امت کے علماء مراد ہیں۔ حضرات ائمہ مراد نہیں ہیں۔

۱۔ ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ مختصر "العلماء ورثة الانبیاء" والے جملے سے ولایت فقیہ کو نہیں ثابت کر سکتے۔ کیونکہ انبیاء ایک جہت والی جہت بھی رکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مبداء اعلیٰ سے وحی، الہام یا کسی دوسری کیفیت کے ساتھ علم حاصل کرتے ہیں۔ لیکن صرف یہ حیثیت - یعنی مبدء اعلیٰ سے علم حاصل کرنا، عموم الناس اور مومنین پر ولایت کا سبب نہیں بن سکتی (مثلاً) اگر خدا امامت و ولایت کو انبیاء کے لئے نہ قرار دے تو صرف مبدء اعلیٰ سے حصول علم کی وجہ سے ان کو حکومت و ولایت حاصل نہیں ہو جائے گی۔ بس وہ نبی رہیں گے دیگر حاکم و والی نہ ہوں گے۔ (مترجم) اب اگر تبلیغ پر مامور کر دیئے گئے تو ان کا لازم ہے کہ تبلیغ بھی کریں۔ ہمارے یہاں نبی و رسول میں فرق ہے کہ رسول تبلیغ بھی کرتا ہے مگر نبی صرف مطالب کو اخذ کرتا ہے۔ اور چونکہ نبوت اور ولایت کی حیثیت میں فرق ہوتا ہے اور حدیث میں "العلماء ورثة الانبیاء" کی لفظ آئی ہے۔ یعنی وصف عنوانی نبوت کو قرار دیا گیا ہے اور یہ وصف مقتضی ولایت تو ہے نہیں اس لئے علماء کیلئے ولایت ثابت نہیں کی جا سکتی۔ البتہ اگر یہ ہوتا کہ علماء مثل موسیٰ و عیسیٰ ہیں تو یہ بات ممکن تھی۔ کیونکہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ تمام حیثیات کے۔ ایک ان میں سے ولایت بھی ہے۔ مالک تھے۔ لہٰذا علماء کی ولایت کے حاصل ہوتے۔ مگر چونکہ حدیث میں اس طرح تو فرمایا نہیں ہے اور علماء کو بمنزلہ شخص قرار نہیں دیا جا سکتا لہٰذا اس جملے سے ولایت ثابت نہیں ہو سکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ روایات اور عموماً الفاظ کے سمجھنے کا معیار عرف عام

اور فہم متعارف ہوا کرتا ہے نہ کہ تجزیہ و تحلیل عقلی۔ ہم بھی فہم میں عرف ہی کے تابع ہیں۔ اگر فقیہ روایات کو سمجھنے میں علمی حقائق کا لحاظ رکھے تو بہت سے مطالب کو ثابت نہیں کر سکے گا۔ اس لئے "العلماء ورثة الانبیاء" کو عرف عام پر پیش کر کے دیکھیں کہ عرف کیا سمجھتا ہے؟ آیا عرف کا ذہن اس بات کی طرف جاتا ہے کہ انبیاء کا وصف عنوانی مراد ہے اور علماء کو صرف اسی وصف عنوانی پر تنزیل کیا گیا ہے؟ یا عرف عام کا ذہن اس جملے کو شخص کے لئے دلیل سمجھتا ہے؟ یعنی اگر عرف سے سوال کریں کہ فلاں فقیہ بمنزلہ موسیٰ و عیسیٰ ہے کہ نہیں؟ وہ اس روایت کی بناء پر جواب دے گا۔ ہاں۔ کیونکہ موسیٰ و عیسیٰ نبی تھے۔ یا اگر سوال کیا جائے کہ فقیہ رسول خدا کا وارث ہے کہ نہیں؟ وہ کہے گا ہاں۔ کیونکہ رسول خدا بھی انبیاء میں سے ہیں۔ اس لئے ہم انبیاء کو وصف عنوانی نہیں فرض کر سکتے۔ خصوصاً جبکہ لفظ جمع کے ساتھ استعمال ہے۔ اگر لفظ مفرد - نبی - ہوتا تو پھر بھی احتمال کی گنجائش تھی لیکن جب "انبیاء" کی لفظ استعمال کی گئی اور لفظ جمع لائی گئی یعنی "کل فرد من الانبیاء" نہ یہ کہ کل فرد من الانبیاء بما هم انبیاء" کے وصف عنوانی پر نظر ہو اس وصف عنوانی کو دوسرے اوصاف کے جدا کر دیں اور کہیں کہ فقیہ بمنزلہ نبی ہے۔ بمنزلہ رسول یا بمنزلہ ولی نہیں ہے۔ اس قسم کا تجزیہ اور تحلیل علمی روایات میں عقل اور عرف دونوں کے خلاف ہے۔

۲۔ بالفرض ہم قبول بھی کر لیں کہ تنزیل وصف عنوانی کے لحاظ سے ہے اور علماء بمنزلہ انبیاء ہیں۔ بما هم انبیاء۔ جب تو پھر اس تنزیل کے لحاظ سے خدا جو بھی حکم نبی کے لئے ثابت کرے گا۔ وہ علماء کے لئے بھی ثابت ہوگا۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ فلاں شخص بمنزلہ عادل ہے اور پھر اس کے بعد کہا جائے۔ عادل کا اکرام واجب ہے۔ تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اس شخص کا

بھی اکرام واجب ہے۔ جس کو بمنزلہ عادل کہا گیا ہے۔ اس لحاظ سے ہم قرآن کی آیت

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم

سے علماء کے لئے بھی منصب ولایت کو ثابت کرسکیں گے کیونکہ اولویت سے مراد ولایت و امامت ہے جیسا کہ "مجمع البحرین" میں اسی آیت۔ النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم کے ذیل میں امام باقرؑ سے روایت ہے کہ یہ آیت دربارۂ امارت۔ حکومت و ولایت۔ نازل ہوئی ہے۔ اب چونکہ نبی مومنین پر ولایت و حکومت رکھتا ہے، اور علماء بمنزلہ انبیاء ہیں، لہٰذا یہی ولایت و حکومت علماء کیلئے بھی ثابت ہوگی۔ کیونکہ آیت میں حکم وصفِ عنوانی۔ نبوت۔ کے لحاظ سے آیا ہے۔ اس کے علاوہ جو آیات رسول کے لئے احکام ثابت کرتی ہیں ہم ان سے بھی استدلال کرسکتے ہیں

مثلاً "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم"۔ اب ہم یہ نہیں کہ عرف عام میں نبی و رسول میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگرچہ بعض روایات میں کیفیت نزولِ وحی کے لحاظ سے نبی و رسول میں فرق بتایا گیا ہے۔ لیکن نبی و رسول عقل و عرف کی نگاہ میں ہم معنی ہیں اور اس لئے جب رسول کی اطاعت واجب ہے تو علماء کی بھی ثابت ہے۔

۲۔ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد احکام شرعیہ ایک مسئلہ کی میراث ہیں۔ اگرچہ اصطلاحاً ان کو میراث نہیں کہا جا سکتا۔ اب جو لوگ ان احکام کو حاصل کریں گے وہ بھی پیغمبر کے وارث ہیں۔ لیکن یہ کہاں سے معلوم کہ رسولِ خدا کا منصب ولایت بھی قابلِ میراث ہے جو میراث میں مل سکتا ہے ممکن ہے صرف احکام ہی قابلِ میراث ہوں خود اسی روایت میں ہے کہ انبیاء علم کی میراث چھوڑتے ہیں۔ اسی طرح ابی البختری والی روایت میں ہے "انما ورثوا احادیث من احادیثھم" یعنی انبیاء احادیث کو میراث میں

چھوڑتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ احادیث تو قابل میراث ہیں لیکن ولایت قابل میراث نہیں ہے۔

۳۔ اعتراض (۱) بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ ولایت، وراثت امرِ اعتباری اور عقلائی ہیں لہٰذا اس میں عقلاء کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اور یہ دیکھنا ہوگا کہ ولایت و حکومت کو ایک شخص سے دوسرے کی طرف بعنوانِ میراث۔ منتقل ہونے کا اعتبار کیا جاتا ہے کہ نہیں یعنی عقلاء اس طرح اعتبار کرتے ہیں کہ نہیں؟

مثلاً اگر دنیا کے عقلمند لوگوں سے پوچھا جائے کہ فلاں سلطنت کا وارث کون ہے تو یہ جواب دیں گے کہ فلاں "تاج و تخت کا وارث" ہے مثلاً یہ جملہ۔ "وارثِ تاج و تخت"۔ مشہور جملوں میں سے ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مال کی طرح ولایت بھی عقلاء کی نظر میں ایک شخص سے دوسرے کی طرف قابلِ انتقال ہے۔ اور منتقل ہوتی ہے۔ اگر کوئی آیت شریفہ "النبی اولیٰ بالمومنین" پر نظر کرے اور "العلماء ورثة الانبیاء" پر نظر کرے تو اسے پتہ چل جائے گا کہ انھیں، عرف عقلاء یہ کو عقلاً قابلِ انتقال جانتے ہیں۔

اگر یہ عبارت۔ العلماء ورثة الانبیاء۔ ائمہ کے لئے ہوتی۔ جیسا کہ روایات میں ہے کہ ائمہ تمام امور میں پیغمبرؐ کے وارث ہیں اور کوئی بھی یہ نہ کہہ سکتا کہ "علم اور مسائل شرعیہ" کی وراثت مراد ہے۔

اس لئے اگر ہم فقط "العلماء ورثة الانبیاء" کو دیکھیں اور روایت کے صدر و ذیل سے صرفِ نظر کریں تو یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ پیغمبر اسلام کے بعد آپ کے تمام مناصب۔ جیسے جن سے لوگوں پر حکومت ملتی ہے قابلِ انتقال ہیں اور ائمہ معصومین کے لئے ثابت ہیں۔ لہٰذا وہ فقہاء کے لئے بھی ثابت ہوں گے البتہ وہ چیزیں فقہاء کے لئے ثابت نہ ہوں گی جن کو دلیل خارج کردے اور

اس میں حصر بھی نہیں ہے جو کہ مانتے ہیں۔ اور ان چیزوں کو قیاس کے ذریعے ثابت نہیں کر یں گے۔

اور دوسرے اعتراض میں سب سے زیادہ معقول بات یہ ہے کہ العلماء ورثۃ الانبیاء والا جملہ ایسے جملوں کے درمیان میں واقع ہے کہ جو اس بات کے لئے قرینہ ہیں کہ میراث سے مراد حدیثوں کی میراث ہے، جیسا کہ "صحیح قداح" میں ہے: ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکن ورثوا العلم اور ابو البختری والی روایت میں ہے: لم یورثوا درھما ولا دینارا، سوائے جملہ کے بعد انما اورثوا احادیث من احادیثھم یا یہ بھی قرینہ ہے کہ انبیاء کی میراث صرف احادیث ہی ہوا کرتی ہیں۔

خصوصاً لفظ "انما" کو دیکھتے ہوئے اور یقین ہو جاتا ہے کہ احادیث ہی کی میراث مراد ہے۔ کیونکہ انما حصر کے لئے آتا ہے۔

مگر یہ اعتراض بھی مشکل ہے کیونکہ اگر یہی مراد ہوتا ہے کہ پیغمبر احادیث کے علاوہ کسی اور چیز کو چھوڑ کر نہیں گئے۔ جو میراث بن سکیں تو یہ بات خلاف ضروریات مذہب شیعہ ہے۔ کیونکہ پیغمبر بہت سی ایسی چیزوں کو چھوڑ کر گئے ہیں جو لائق میراث ہیں اور اس میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے کہ پیغمبر امت پر حکومت رکھتے تھے اور حضرت کے بعد یہ منصب حضرت علیؑ کو منتقل ہوا اور آپ کے بعد تمام ائمہ کو یکے بعد دیگرے منتقل ہوا۔

اور کلمہ "انما" یہاں پر حتمی طور پر حصر کے لئے نہیں ہے اور یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ کلمہ "انما" اس کے لحاظ سے حصر پر دلالت کرتا بھی ہے کہ نہیں۔ اس کے علاوہ صحیحہ قداح میں "انما" کا لفظ موجود نہیں ہے۔ حالانکہ ابو البختری والی روایت میں ہے۔ مگر وہ روایت سند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔

ہم صحیحہ کی عبارت تحریر کرتے ہیں تاکہ دیکھیں اس کے جملے اس بات کے لئے قرینہ بن سکتے ہیں کہ نہیں کہ انبیاء کی میراث صرف حدیثیں ہوا کرتی ہیں۔

ملاحظہ ہو......

من سلک طریقا یطلب فیہ علما سلک اللہ بہ طریقا الی الجنۃ.....

اس جملے میں علماء کی تعریف کی گئی ہے۔ یہ خیال نہ فرمائیے کہ یہ تعریف ہر عالم کے لئے ہے اور چاہے جیسا ہو۔ اس حدیث کا مصداق ہے۔ جی نہیں کافی کا مطالعہ فرمائیے اور اس میں ان روایات کو دیکھئے جن میں وقت سوء کے علماء بیان کئے گئے ہیں تو آپ کو معلوم ہو جائیگا۔ چند کلمے پڑھے والے ورثۃ الانبیاء نہیں ہو سکتے بلکہ ان کے کچھ فرائض ہیں اور اس وقت بات مشکل ہو جاتی ہے۔

. . . وان الملائکۃ لتضع اجنحتھا لطالب العلم رضا بہ ...

"وضع اجنحۃ" کے معنی معلوم ہیں اور اس وقت اس سے بحث بھی نہیں ہے۔ یہ عمل احترام و تواضع کے لئے ہے۔

...... وانہ یستغفر طالب العلم من فی السماء ومن فی الارض حتی الحوت فی البحر۔

یہ جملہ تفصیلی بحث چاہتا ہے۔ ہماری بحث سے خارج ہے۔

.... وفضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر النجوم لیلۃ البدر..

اس جملے کے معنی بھی معلوم ہیں

.. وان العلماء ورثۃ الانبیاء ..

صدر روایت سے کہ جس میں علماء کی تعریف اور ان کے فضائل بیان کئے گئے
ہیں۔ ان کے فضائل میں ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ انبیاء کے وارث ہیں۔ اور انبیاء
کا وارث ہونا علماء کے لئے اس وقت باعث فضیلت ہوگا جب وہ انبیاء کی طرح
لوگوں پر حکومت رکھتے ہوں اور واجب الاطاعت ہوں۔

ذیل کی روایت میں یہ جملہ۔ ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما۔
کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انبیاء علم و حدیث کے علاوہ کوئی اور میراث چھوڑتے ہی نہیں۔
بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء اگرچہ ولی امر ہوتے ہیں۔ تمام لوگوں پر حکومت رکھتے
ہیں۔ لیکن چونکہ وہ روحانی ہیں۔ مادی افراد میں نہیں ہیں کہ مال دنیا جمع کرتے پھریں۔
اس لئے علم و حدیث کو میراث کے طور پر چھوڑتے ہیں اور اس سے اس بات کی طرف
اشارہ مقصود ہے کہ انبیاء کی حکومت دُنیاوی حکومت کی طرح نہیں ہے کہ جس
کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ اپنے لئے مال جمع کرتے رہیں۔ حدیث کا یہ مطلب ہے نہ کہ یہ مراد
ہے کہ اپنے مال کو بطور میراث چھوڑتے ہی نہیں۔

پیغمبر کی زندگی چونکہ بہت سادہ تھی اپنے مقام و منصب سے انہیں کوئی
مادی فائدہ حاصل نہیں کیا تھا کہ اس کو بطور میراث چھوڑ جاتے۔ جو چیز انہیں
بطور میراث چھوڑی ہے وہ علم ہے جو تمام امور میں اشرف ہے۔

خصوصاً وہ علم جو خدا کی طرف سے عطا کیا گیا ہے۔ اور روایت میں بھی
علم کا جو ذکر آیا ہے وہ بھی شاید اسی وجہ سے ہے۔ اور اسی لئے یہ نہیں کہا جا سکتا
کہ روایت میں جو اوصاف علماء بیان کئے گئے ہیں ان سے مختص علم و
حدیث ہی کی میراث مراد ہے۔

جس روایت میں اس حدیث کے آخر میں "ما ترکناہ صدقۃ"
کا جملہ آیا ہے۔ جو حدیث میں جزو نہیں ہے۔ صرف سیاسی اغراض کے

ماتحت اس کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اور اہل سنت کی فقہ میں بھی اس حدیث کا ذکر ہے۔

زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ "ممکن ہے کہ یہ جملے قرینہ ہوں
تو پھر "العلماء ورثۃ الانبیاء" کے اطلاق سے تمسک کرکے "کل ما کان للہ
انبیاء للعلماء" کے اطلاق سے تمسک کرکے "کل ما کان للانبیاء للعلماء"
نہیں کہہ سکتے (یعنی علماء کے لئے حکومت ثابت نہیں کی جا سکتی۔ مترجم)

مگر یہ بات بھی درست نہیں ہے کیونکہ ان جملوں کے قرینہ ہونے کا مطلب
بھی نہیں ہے کہ آپ کہنے لگے۔ روایت کا ظہور اس بات میں ہے کہ علماء صرف علم انبیاء
کے وارث ہیں۔ اس لئے اس روایت (العلماء ورثۃ الانبیاء) اور بقیہ روایات (جو
ہمارے مفید مطلب ہیں) میں تعارض ہوگیا اور اس روایت نے ماسبق مطالب کو
ختم کر دیا۔ بھی نہیں اس قسم کی کوئی بات روایت سے مستفاد نہیں ہوتی۔

نص کے ذریعہ ولایت فقیہ کا اثبات

بالفرض اگر یہ کہا جائے کہ "روایت سے مستفاد ہوتا ہے کہ رسول خدا صرف علم
کو بطور میراث چھوڑ گئے اور امر ولایت و حکومت لائق میراث نہیں ہے بلکہ اگر پیغمبر
"علی وارثی" بھی فرما دیتے تو اس سے حضرت علیؑ کی خلافت ثابت نہیں ہو سکتی تھی"
تو پھر ایسی صورت میں ہم مجبور ہیں کہ حضرت علیؑ اور ائمہؑ کی خلافت نص کے ذریعہ ثابت
کریں اور کہیں کہ رسول خدا نے حضرت علیؑ کو خلافت کے لئے منصوب فرمایا ہے تو پھر یہی
بات ہم ولایت فقیہ کے لئے بھی کہیں گے کیونکہ سابقہ روایت کی بناء پر علماء بھی
رسول خدا کی طرف سے خلافت و حکومت کے لئے منصوب ہیں۔ اس طرح اس روایت
میں اور ان روایات میں کہ جو منصب پر دلالت کرتی ہیں جمع کیا جائے گا۔

فقہ رضوی سے مؤید

عوائد نراقی میں فقہ رضوی کے حوالہ سے ایک روایت نقل ہے جس کا مضمون یہ ہے۔ "منزلۃ الفقیہ فی ھذا الوقت بمنزلۃ الانبیاء فی بنی اسرائیل"[۱] اس زمانہ میں فقیہ کی عزت بنی اسرائیل کے انبیاء جیسی ہے۔ البتہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے "فقہ رضوی" امام رضاؑ سے صادر ہوئی ہے۔ ہاں بعنوان مؤید اس سے تمسک کیا جاسکتا ہے۔

یہ بات جان لینا چاہیئے کہ "انبیاء بنی اسرائیل" سے حضرت موسیٰؑ کے زمانے والے مقصود مراد نہیں کیونکہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے والے تمام فقہاء حضرت موسیٰؑ کے تابع تھے اور ان کی پیروی کرتے تھے اور ممکن ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ ان لوگوں کو تبلیغ کے لئے بھیجتے ہوں تو ان کے لئے ولی بھی معین کر دیتے ہوں البتہ ان کے حالات ہم کو دقیق الصحیح نہیں ہے۔ ہاں یہ معلوم ہے کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے تھے اور تمام وہ باتیں جو رسول خدا کے لئے ہیں حضرت موسیٰ کے لئے بھی تھیں۔ نسبت دونوں کے مقام و منزل اور رتبہ میں فرق تھا اس لئے روایت عموم منزلت سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے لئے جو حکومت و ولایت لوگوں پر تھی وہ فقہاء کے لئے بھی ہے۔

[۱] ۔ عوائد نراقی ۱۸۶ حدیث ۷

باقی مؤیدات

جامع الاخبار سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا

یوم القیامۃ بعلماء امتی وعلماء امتی کسائر انبیاء قبلی۔

(۲) قیامت کے دن اپنی امت کے علماء پر میں فخر کروں گا میری امت کے علماء مجھ سے پہلے والے انبیاء کی طرح ہیں۔

یہ روایت بھی مؤید مطلب ہے مستدرک میں بھی "غرر" کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے جس کا مضمون یہ ہے العلماء حکام علی الناس۔ علماء لوگوں پر حاکم ہیں۔ حکماء علی الناس بھی منقول ہے مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ غرر میں حکماء علی الناس بھی ہے۔ اگر اس روایت کی سند معتبر ہو تو اس کی دلالت واضح اور یہ بھی مؤید مطلب ہے۔ دوسری روایت میں بھی بطور تائید ذکر کی جا سکتی ہے۔

اس قسم کی روایات کی طرح "تحف العقول" میں بھی ایک روایت "مجاری الامور و الاحکام بید العلماء" کے عنوان سے ذکر ہے۔ یہ روایت دو حصوں پر تقسیم ہے پہلا حصہ وہ روایت ہے جو امام حسینؑ نے "امر بالمعروف ونہی عن المنکر" کے سلسلے میں حضرت علیؑ سے نقل فرمایا ہے۔ اور دوسرا حصہ حضرت امام حسینؑ کی وہ تقریر ہے جو "ولایت فقیہ" اور فقہاء کے وظائف سے متعلق ہے۔ اس تقریر کو حضرت نے "منیٰ" میں فرمایا تھا۔ اور اس میں دولت جابر کے خلاف اپنے جہاد و خلق کی علت کو بیان فرمایا ہے۔ اس روایت سے دو اہم مطالب ثابت ہوتے ہیں۔ ایک تو "ولایت فقیہ" اور دوسرے یہ کہ فقہاء کو چاہیئے کہ اپنے جہاد و امر بالمعروف ونہی از منکر کے ذریعہ حکام جائر

کو ذلیل و رسوا کریں۔ اور لوگوں کو بیدار کریں تاکہ بیدار مسلمانوں کی نہضت عمومی
حکومت جور کو سرنگوں کر دے اور حکومت اسلامی کو قائم کرے روایت یہ ہے
(اصل روایت کو کتاب سے نقل کیا جائے یہاں صرف ترجمہ کیا جاتا ہے)

اے لوگو! احبار کی برائی کر کے خدا نے اپنے دوستوں کو جو نصیحت کی ہے
اس سے عبرت حاصل کرو۔ ارشاد ہوتا ہے کہ علماء دین اور احبار گنہگار
یہودیوں کو ان کی گفتگو اور حرام خوری سے کیوں نہیں روکتے؟ انہوں نے
جو کچھ کیا ہے وہ بہت برا کیا ہے۔ نیز ارشاد ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے جن
لوگوں نے کفر کیا ان پر لعنت کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ ارشاد ہے۔ واقعی
انہوں نے جو کچھ انجام دیا وہ بہت برا کیا۔ درحقیقت خدا نے ان لوگوں کی برائی اس لئے
کی ہے کہ ان کی نظروں کے سامنے ستمگار برائی اور فسق میں مبتلا رہتے تھے
مگر یہ ان کو روکتے نہیں تھے کیونکہ ان سے پانے والی چیزوں کی رغبت اور ڈرنے
والی باتوں کے خوف سے وہ ایسا کرتے تھے حالانکہ خدا فرماتا ہے "لوگوں سے مت
ڈرو مجھ سے ڈرو" نیز ارشاد ہوتا ہے "ایمان والے اور ایمان والیاں ایک
دوسرے کے دوست ہیں۔ امر بمعروف کرتے ہیں۔ نہی از منکر کرتے ہیں۔ خدا
نے امر بمعروف و نہی از منکر سے ابتدا فرمائی اور اس کو پہلا واجب شمار کیا اس
لئے کہ خدا جانتا ہے اگر امر بمعروف ہوتا رہا اور نہی از منکر ہوتا رہا تو تمام فرائض
خواہ آسان ہوں خواہ مشکل سب ہی انجام پا جائیں گے کیونکہ امر بمعروف
و نہی از منکر کا مطلب یہ ہے دعوت اسلام۔ یعنی جب اعتقاد دین رائج
ہوتی رہے۔ مظلوموں کے حقوق ظالموں سے ملتے رہیں۔ ظالموں کی مخالفت ہوتی رہے
مال غنیمت اور فئی کی تقسیم ہوتی رہے۔ صدقات، زکوٰۃ و تمام مالیات کے ازالے
واصل کر کے ان کی صحیح تقسیم ہوتی رہے۔

پھر اے گروہ مردم! اے وہ گروہ جو علم و عالم ہونے میں مشہور ہو۔

تمہارا ذکر خیر ہوتا ہی رہتا ہے اور خیر خواہی و رغبت میں بھی مشہور ہو۔ خدا کی خاطر
لوگوں کے دلوں میں تم اپنی ہیبت قائم رکھنے میں مشہور ہو۔ اس طرح کہ طاقتور
آدمی تم سے ڈرتا ہے کمزور تمہاری تعظیم کرتا ہے وہ شخص جس پر تم کوئی برتری
نہیں رکھتے اور نہ جس پر تمکو کوئی قدرت ہے ابھی تمکو اپنے پر برتری دیتا ہے۔
اپنی نعمتوں کو اپنے پر ترجیح دے کر تم پر خرچ کرتا ہے۔ ضرورت کے وقت تم لوگوں
کی مدد کرتے ہو۔ بادشاہوں کی ہیبت اور بزرگوں کی بزرگی کے ساتھ راستہ
چلتے ہو کیا یہ سب باتیں صرف اس لئے نہیں ہیں کہ تم سے امید ہے کہ اجرائے
قانون پر کمر ہمت کو باندھو گے۔ اگرچہ خدا کے بہت سے حقوق کی ادائیگی میں
تم سے تقصیر بھی ہوئی ہے کہ ملت کے حقوق کو ذلیل کیا ہے۔ کمزوروں کے
حقوق کو ضائع و برباد کیا ہے۔ لیکن جسکو تم نے اپنا حق خیال کیا ہے اسکو
طلب کیا ہے۔ نہ تو تم نے اپنا مال خرچ کیا ہے اور جان دینے والے کی راہ میں
اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا ہے اور نہ خدا کے لئے کسی قبیلہ سے دشمنی کی ہے۔
(اس کے باوجود) تم جنت کی آرزو کرتے ہو۔ پیغمبروں کی ہمنشینی کے خواہشمند
ہو عذاب خدا سے بچنا چاہتے ہو۔ خدا سے اس قسم کی امید رکھنے والو! مجھے ڈر ہے
کہ تمہارے اوپر عذاب الہی نہ نازل ہو جائے کیونکہ خدا کی عظمت و عزت کے
سائے میں تم ایسی بلند منزلت تک پہنچے ہو مگر تم خدا شناسوں کی قدر و منزلت نہیں کرتے
حالانکہ خدا ہی کی وجہ سے تم اسکے بندوں میں محترم ہو اور اسی کی وجہ سے ہی
مشہور ہو شاید ڈرتے ہوں کہ اگر تم دیکھتے ہو کہ خدا کے میثاق توڑے جا رہے ہیں۔ مگر
تم نہیں ڈرتے لیکن اپنے آباؤ اجداد کے معاہدے کے توڑے جانے پر پریشان
ہو جاتے ہو۔ رسول خدا کے عہد و پیمان۔ پیغمبر اسلام سے جنت کی وجہ سے
منہاجات اسلامی جو عہد و پیمان ہوا تھا۔ علیؑ اور اولاد علیؑ کی خلافت کے
بارے میں غدیر خم میں جو تم سے عہد لئے گئے تھے۔ کی بے وقعتی کرتے ہو۔

اندھے ہو گئے، زمین گیر، کمزور تمام شہروں میں بے مربی ست ہیں۔ کوئی ان پر رحم نہیں کرتا۔ نہ اپنی اور ان کی حیثیت کے مطابق کام کرتے ہو اور نہ ایسے کام کرنے والے اور تمہاری شان کو بڑھانے والوں کی کوئی مدد کرتے ہو۔ چرب زبانی، چاپلوسی، ستمگاروں سے ساز باز کر کے اپنے کو بے خوف بنا لیے ہو۔ یہ تمام وہ باتیں ہیں جن سے خدا نے تم کو روکا ہے اور تم ان سے غفلت کرتے ہو۔ تمہاری مصیبت تمام لوگوں سے زیادہ ہے کیونکہ منزلت علماء کو تم سے واپس لے لیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک کا انتظام، احکام کا نفاذ، سلطنت کے پروگرام کی تکمیل، دانشمندان روحانی کے ہاتھوں میں ہونی چاہیے۔ جو حقوق الٰہی کے امین، حلال و حرام کے جاننے والے ہیں۔ اب یہ کہ تمہاری وہ حیثیت نہ رہی اسکی وجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ تم نے قانون اسلام اور حکم خدا کو پراگندہ کر دیا ہے۔ سنت میں اختلاف پیدا کر دیا ہے۔ اگر تم تکلیفوں پر صبر کرتے، خدا کی راہ میں زحمتوں کو برداشت کرتے، تو سارے امور کا دارومدار تم پر ہوتا۔ لیکن تم نے ظالموں کو قدرت عطا کی اور حکومت ان کے ہاتھوں میں دے دیا۔ وہ شبہات پر عمل کرتے ہیں، شہوتوں کے مطابق کام کرتے ہیں۔ تمہارا موت سے بھاگنا ہی اس کا سبب تھا کہ وہ ان پر مسلط ہو جائیں۔ اور تمہارا زندگی کو پسند کرنا بھی اس کا سبب بنا، حالانکہ تمہاری زندگی تم سے چھین لی جانے والی ہے۔ تم نے اپنے اس رویے سے کمزوروں کو ستمگاروں کے ہاتھوں میں دے دیا تاکہ کوئی غلام بنایا جائے اس پر ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں اور کوئی بے چارہ نان و نمک کے لئے محتاج رہے اور ظالم حکام مزے لوٹتے رہیں اور اپنی ہوس رانی سے ذلت و رسوائی کا سامان کرتے رہیں۔ بزدل کے پیرو ہو جائیں

خدا سے گستاخی کریں، ہر شہر میں منبر پر ان کا خطیب ہے۔ خاک وطن پراگندہ ہے۔ ان کے ہاتھ دراز ہیں۔ لوگ ان کے غلام ہیں۔ اپنے میں دفاع کی قوت نہیں رکھتے، ان کا کوئی حاکم ڈکٹیٹر ہے، کینہ پرور و بدخواہ ہے دوسرا حاکم مظلوموں پر ظلم کرتا ہے سختی کرتا ہے، تیسرا حکومت پر قابض ہے نہ خدا سے ڈرتا ہے، نہ روز جزا سے، نہ خدا کو پہچانتا ہے۔ تعجب ہے اور کیوں نہ تعجب ہو؟ زمین پر ظالم ستمگر اور مومنین کے لئے بے رحم حاکم ہیں۔ بس اللہ ہی ہمارے درمیان حکم کرنے والا ہے اور ہمارے اختلافات میں وہی فیصلہ کرنے والا ہے۔

خدایا! تو جانتا ہے ہم نے جو کچھ کیا ہے۔ ظالم اور اموی حکومت کے خلاف اقدام۔ وہ کسی سیاسی اقتدار کی خاطر نہیں تھا، اور نہ ہی دولت و حکومت کی خاطر تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ تیرے دین کے درخشاں اصول کی نشاندہی کریں۔ تیرے ملک میں فساد کو ختم کر کے اصلاح کریں۔ تیرے مظلوم بندوں کو بے خوف بنا کر ان کے حقوق ان تک پہنچا دیں اور اس لئے ایسا کیا ہے کہ تیرے قرآن پر تیرے احکام پر عمل ہونے لگے۔ اس لئے تم لوگ (علماء دین) اس مقصد کی انجام دہی میں میری مدد کرو۔ اور تم پر ظلم کرنے والوں اور انبیاء کی شمع حیات کو گل کرنے والوں سے انصاف کیا جائے۔ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔ اور اسی کی طرف ہماری بازگشت ہے۔

حضرت کا یہ ارشاد۔ " اعتبروا ایها الناس بما وعظ اللہ بہ من سوء ثنائہ علی الاحبار " کسی مخصوص گروہ، عامرین عبس یا شہر یا مملکت یا اس زمانے کے لوگوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ جس زمانے میں جو بھی اس خطاب کو سنے اس کو مخاطب کیا گیا ہے جیسے قرآن میں،

یا ایہا الناس تمام لوگوں کے لئے ہے۔ اسی طرح حضرت کا بھی خطاب ہے۔
خداوند عالم علماء یہود پر اعتراض اور ان کے رویہ سے بیزار ہو کر اپنے دوستوں
کو موعظہ کر رہا ہے۔ "دوستوں" سے مراد وہ افراد ہیں جو خدا کی طرف متوجہ ہیں
اور معاشرہ میں سود مند ہیں۔ البتہ ائمہ معصومین مراد نہیں ہیں۔

"اذ یقول لولا ینھاھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السحت لبئس ما کانوا یفعلون"

خدا اس آیت میں "ربانیون" اور "احبار" کی سرزنش کر رہا ہے
کہ یہودی علماء نے ستمگروں کو گناہگارانہ گفتگو۔ خواہ جھوٹ ہو، تحریف ہو،
اور اس قسم کی دوسری بات ہو۔ اور حرام خوری سے کیوں نہیں روکا؟ ظاہر ہے
کہ یہ سرزنش نہ تو علماء یہود کے لئے مخصوص ہے نہ علماء نصاریٰ کے لئے بلکہ
جامعۂ اسلامی کے علماء اور بطور کلی تمام علماء دین کو شامل ہے۔ اس
لئے اگر معاشرۂ اسلامی کے علماء ستمگروں کے رویے اور بدعت پر
خاموش رہیں تو وہ بھی اس سرزنش کے مستحق ہیں۔ یہ حکم بزرگوں اور نسلِ
گذشتہ کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ گذشتہ اور آئندہ کی ساری نسلیں اس
حکم میں برابر ہیں۔ حضرت امیرؑ نے قرآن کے استناد کے ساتھ یہ بات بیان
فرمائی تاکہ معاشرۂ اسلامی کے علماء بھی اس سے عبرت حاصل کریں۔
ہوشیار ہو جائیں، امر بمعروف و نہی از منکر سے غفلت نہ برتیں۔ حکومت
جور و ستمگر کے مقابلے میں سکوت نہ اختیار کریں۔ حضرت نے "لولا ینھاھم
الربانیون ......" سے استشہاد فرما کر دو نکتے کی طرف متوجہ کرنا چاہا ہے
۱۔ فرائض مشترک کی ادائیگی میں علماء کی سہل انگاری کا ضرر
دوسروں کے ادائیگی فرائض سے کوتاہی میں بہت زیادہ ہے۔ مثلاً اگر
ایک بازاری غلط کام کرے تو اس کا ضرر اسی کو پہنچے گا۔ لیکن اگر علماء

اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کریں گے۔ جیسے ستمگروں کے مقابلے میں
خاموشی۔ تو اس کا ضرر اسلام کی طرف متوجہ ہوگا۔ اور اگر انہوں نے اپنے
فرائض پر عمل کیا اور جہاں بولنا چاہیئے وہاں خاموش نہیں رہے تو اس کا
فائدہ بھی اسلام کو پہنچے گا۔

۲۔ تمام خلاف شرع امور سے روکنا چاہیئے۔ لیکن اس کے ساتھ
خصوصیت کے ساتھ "قول اثم" اور اکل سحت کا ذکر کرنے سے مقصود یہ
ہے کہ یہ دو "منکر" تمام منکرات سے زیادہ خطرناک ہیں اور ان کی مخالفت
بہت زیادہ کرنی چاہیئے۔ چونکہ بعض دستگاہ ستمگر کی تبلیغ و گفتار ان کی
سیاست و کردار سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے خطرناک ہوتی ہے
ہوتی ہے۔ اس لئے خدا سرزنش کر رہا ہے کہ ستمگروں کے گمراہ کن
تبلیغات و نادرست گفتار کو کیوں نہیں روکا؟ وہ مرد جو خلیفۃ اللہ ہونے
کا دعویٰ کرتا تھا، مشیت الٰہی کا نتیجہ ہونے کا مدعی تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ احکام
یہی وہی ہیں جس کا اجراء میں کرتا ہوں۔ اسلامی عدالت وہی ہے جو میں
کہتا ہوں۔ حالانکہ معمولی طور پر عدالت سے اس کا کوئی واسطہ نہ تھا۔ ایسے
شخص کی تکذیب کیوں نہ کی؟ اس قسم کی باتوں کو "قول اثم" کہتے ہیں۔ اس قسم کی باتوں
سے کیوں نہیں جلوگیری کی؟ جو ظالم نابود بجا اسراف کرتے تھے، خیانتوں کے
مرتکب ہوتے تھے، بدعتوں کا اسلام میں اضافہ کرتے تھے، اسلام کو ضرر
پہنچاتے تھے ان کو کیوں نہ روکا؟ ان غلط ہولوں سے کیوں باز نہ رکھا؟

اگر کوئی مرضی الٰہی کے خلاف احکام کی تغییر کرے، اسلام میں بدعت
کو یہ کہہ کر کہ اصول اسلامی کا یہی تقاضہ ہے۔ رواج دے، اسلام کے
خلاف احکام کا اجراء کرے، تو علماء پر واجب ہے کہ اس کی مخالفت کریں۔
اگر مخالفت نہ کریں گے تو خدا کی لعنت کے مستحق ہوں گے۔ حدیث میں

بھی ہے کہ۔ اذا ظہرت البدع فعلی العالم ان یظہر علمه و الا فعلیه لعنة اللہ۔ جب بدعتوں کا ظہور ہونے لگے تو عالم پر واجب ہے کہ اپنے علم کا اظہار کرے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس پر خدا کی لعنت ہے۔

خود مخالفت کا اظہار، تعلیم و احکام خدا کا بیان، بدعت و ظلم و گناہ کی مخالفت بھی فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اجتماعی فساد اور خائن و فاسق حکام کے مظالم کے خلاف عوام کھڑے ہو جاتے ہیں اور ظالموں کا ساتھ دینے سے پرہیز کرنے لگتے ہیں۔ بلکہ ان کی نافرمانی کرنے لگتے ہیں۔ ایسے مواقع پر علماء دین کی مخالفت ایک ذہنی ارتعاش ہے اور معاشرہ کے دینی رہبر کی طرف سے مخالفت، ذہنی ارتعاش کی موجب ہوتی ہے۔ جو رفتہ رفتہ انقلاب کا باعث بن جاتی ہے۔ اور اگر ظالم حکام اس کے سامنے سرنگوں نہ ہو جائیں اور احکام الٰہی کا اتباع نہ کرنے لگیں۔ اور طاقت کے ذریعے اس انقلاب کو خاموش کرنے لگیں تو پھر ان کا شمار "فئۃ باغیہ" باغی گروہ میں ہونے لگے گا۔ اور مسلمانوں پر مسلح جہاد واجب ہو جائے گا تاکہ حکومت کی تبدیلی کا بعد یہ اسلام کے احکام و اصول کے مطابق ہو جائے۔

آپ حضرات جو بے سرپرست حکام کی بدعتوں کو نہیں روک سکتے اور ان مفاسد کو ختم نہیں کر سکتے تو کم از کم خاموش تو نہ رہیے۔ مار پیٹ پر داد فریاد کیجیے، اعتراض کیجیے، پردہ پوشی نہ کیجیے، ظلم برداشت نہ کیجیے، ظلم برداشت کرنے پر آمادگی ظلم سے بھی بدتر ہے، اعتراض کیجیے، انکار کیجیے، تکذیب کیجیے، فریاد کیجیے۔ ان کی تبلیغات و نشریات کے مقابلے میں آپ بھی تبلیغات و نشریات قائم کیجیے۔ تاکہ ان کے جھوٹ کی تکذیب کی جا سکے یہ سب جا سکے کہ یہ غلط ہے۔ عدالت اسلامی یہ نہیں ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ بلکہ عدالت اسلامی تو وہ ہے جو مدون و منضبط صورت

میں موجود ہے۔ ان باتوں کا بیان ضروری ہے تاکہ لوگ متوجہ رہیں۔ آئندہ نسل علماء کے سکوت کو حجت نہ جانے کہ اگر ظالموں کی حکومت خلاف شرع ہوتی ہے تو علماء مخالفت کرتے۔ علماء کی مخالفت نہ کرنا بتاتا ہے کہ یہ جائز کہ اسلامی حکم ہے۔

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس مسجد کے آگے کی بات نہیں سوچتے جب یہ کہا جاتا ہے کہ "بلا سمت ملی حرام خوری جائز نہیں ہے" تو ان کے ذہن میں کوچۂ مسجد میں بیٹھنے والے بقال ہی کا تصور آتا ہے کہ (نعوذ باللہ)۔ وہ کم تولتا ہے۔ لیکن حرام خوری کا وہ بزرگ دائرہ جو بزرگ ترین سرمایہ کو نگل کر ڈکار بھی نہیں لیتے، ان کے ذہن میں نہیں آتا۔ جو لوگ بیت المال کو کھا لیتے ہیں ہمارے تیل کو کھا جاتے ہیں۔ غیر ملکی کمپنیوں کے نام سے نمائندگی کر کے ہم کو غیر ضروری اور مہنگی چیزوں کے بازار میں لا کھڑا کرتے ہیں اور اس طرح لوگوں کے روپے کو اپنے اور غیر ملکی سرمایہ داروں کے جیب میں بھر دیتے ہیں غیر ملکی حکومتیں تیل نکال کر پیٹ بھرتے جاتی ہیں اور ایک تھوڑی سی مقدار جو حکام جابر کو ملتی بھی رہی، ان کو بھی دوسری راہ سے اپنی جیبوں میں بھر لیتی ہیں اور تھوڑا مال جو صندوق دولت میں پہنچتا ہے۔ خدا جانے وہ کہاں پر خرچ ہوتا ہے۔ اس قسم کی حرام خوری پر ان کی نظر نہیں پڑتی۔ آخر یہ بھی تو قیاس میں عملی کے لحاظ سے حرام خوری ہے۔ وحشتناک قسم کا منکر ہے۔ آپ ذرا معاشرے کے اوضاع، حکومت کے امور کو دقت نظر سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ کتنی وحشتناک قسم کی حرام خوری ہوتی ہے۔ اگر ملک کے کسی گوشے میں زلزلہ آ جائے تو حرام خور و سود خور حاکموں کی بن آتی ہے کہ زلزلہ زدگان کے نام پر اپنی جیب بھر سکیں گے۔ ستمگر حکام وقت کے خلاف حکومتوں یا خارجی کمپنیوں سے جو معاہدہ کرتے ہیں، اس سے لاکھوں روپے اپنی جیب میں ڈال کر عوام

روپے خارجی سرمایہ داروں کے جیب میں پہنچا دیتے ہیں۔ حرامخوری کا یہ صمت در ہماری نظروں کے سامنے موجیں مار رہا ہے۔ خارجی تجارت کی صورت میں استخراج معادن کی قراردادوں کی صورت میں جنگلوں کی بہرہ برداری کی صورت میں بلکہ تمام طبیعی منافع کے حصوں کی صورت میں حرامخوری کرتے ہیں۔ کبھی عمارتوں کی تعمیرات میں، کبھی سڑکوں کی مرمت کے نام پر کبھی اسلحہ کی خریداری کے نام پر یہ سب کچھ ہوتا ہے۔

ان حرامخوریوں اور غارت گروں کا مقابلہ واجب ہے۔ تمام لوگوں کا یہ فریضہ ہے۔ البتہ علماء دین کا فریضہ سنگین تر اور اہم تر ہے۔

تمام مسلمانوں سے پہلے اس مقدس جہاد اور عظیم فریضہ میں ہم کو شریک ہونا چاہیئے۔ ہم کو اپنے مرتبہ و عزت کی وجہ سے سب سے پہلے اقدام کرنا چاہیئے۔ اگر آج ہم ان حرامخوروں، امت کے خائنوں، عزت دار چوروں، اور حاکموں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو ہم کو کوشش کرنا چاہیئے کہ اس قابل ہو جائیں اور کم از کم فریضہ کی انجام دہی، اظہار حق، افشاء حرامخوری میں کوتاہی نہ کریں۔ جب اس قابل ہو جائیں تو نہ صرف یہ کہ سیاست و اقتصاد و ادارۂ کشور کو درست کریں بلکہ حرامخوروں اور جھوٹوں کو کوڑے لگائیں اور ان کو قرار واقعی سزا دیں۔

صیہونیوں نے مسجد اقصیٰ کو جلا دیا۔ ہم فریاد کرتے ہیں۔ مسجد اقصیٰ کو نیم سوختہ حالت ہی میں باقی رہنے دو، اس جرم کو برباد نہ کرو لیکن رژیم شاہ حساب کھول دیتا ہے۔ صندوق رکھتا ہے اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر کے نام پر لوگوں سے پیسے اینٹھتا ہے تاکہ اس حیلے سے اپنی جیب کو بھر سکے اور غاصب اسرائیل کے جرم کو ختم کر دے۔

یہ وہ مصیبتیں ہیں جو امت اسلام کے گریبان گیر ہو گئی ہیں اور نوبت

یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ پھر آخر علمائے اسلام ان مطالب کو کیوں نہیں کہتے؟ کیوں فریاد نہیں کرتے؟ ان غارتگریوں کے لئے کیوں کچھ نہیں کہتے؟

اس کے بعد۔ لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل۔ سے استشہاد فرمایا ہے۔ جو ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ وانما عاب اللہ ذالک علیہم لانہم کانوا یرون من الظلمۃ الذین بین اظہرھم المنکر والفساد فلا ینہونھم عن ذالک رغبۃ فیما کانوا ینالون منہم ورھبۃ لما یحذرون۔ خداوند عالم کا " ربانیون " سے استنکار صرف اس وجہ سے تھا کہ وہ ستمگروں کو دیکھتے تھے کہ کیا کر رہے ہیں اور کن خباثتوں کے مرتکب ہو رہے ہیں لیکن اس کے باوجود خاموش رہتے تھے اور ان کو منع نہیں کرتے تھے اور ۔ اس روایت کی بنا پر ۔ ان کے سکوت کی دو وجہیں تھیں ۱۔ سود جوئی ۲۔ بزدلی۔ یا پھر وہ لالچی افراد تھے۔ جو ستمگروں سے مادی فائدہ حاصل کرتے تھے اور حق السکوت وصول کرتے تھے اور یا پھر بزدل و ڈرپوک تھے۔ ظالموں سے ڈرتے تھے۔ اس لئے کچھ نہیں کہتے تھے۔ امر بمعروف و نہی از منکر کی روایات کو ملاحظہ فرمائیے کہ اس میں بعض ایسے لوگ جو امر بمعروف و نہی از منکر سے روگردانی کرتے تھے انکی کتنی مذمت کی گئی ہے اور ان کے سکوت کو عیب شمار کیا گیا ہے۔

واللہ یقول ولا تخشوا الناس واخشون۔ خدا فرماتا ہے " ان سے مت ڈرو۔ تمہیں کیا خوف ہے؟ قیدی بنائے جانے، قتل کئے جانے، ملک بدری کے علاوہ اور کس چیز کا خوف ہے؟ ہمارے اولیاء نے اسلام کی خاطر جانیں دے دی تم بھی اس کے لئے آمادہ رہو۔

وقال: والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض یامرون

بالمعروف وینھون عن المنکر...

اور نیز آیہ میں ارشاد ہے۔ ویقیمون الصلوۃ و یؤتون
الزکوۃ ویطیعون اللہ ورسولہ.....

قید اللہ بالامر بالمعروف والنھی عن المنکر فریضۃ
منہ لعلمہ بانھا اذا ادیت واقیمت استقامت الفرائض کلھا
ھینھا وصعبھا وذلک بان الامر بالمعروف والنھی عن المنکر
دعاء الی الاسلام مع رد المظالم ومخالفۃ الظالم وقسمۃ الفئ
والغنائم واخذ الصدقات من مواضعھا ووضعھا فی حقھا

اگر اللہ کے سارے معروف ونہی از منکر واقع ہو تو دوسرے فرائض
قہری طور پر ادا ہونے لگیں گے اور ستمگروں اور ان کے عمال مال مردم کو نہیں
لے سکیں گے ورنہ اپنی مرضی کے مطابق خرچ کر سکیں گے اور نہ مال مردم کو برباد
کر سکیں گے۔ امر بمعروف ونہی از منکر، دعوت اسلام ردِ مظالم و مخالفت
ظالم کرتا ہے امر بمعروف ونہی از منکر کا مقصد انھیں چیزوں کے لیے ہے ہم
نے بھی ان کو مختصر کر کے بس چلنوں کے لیے مخصوص کر دیا ہے جن کا صرف ایسے
افسروں کے لیے ہے جو اس کے مرتکب ہوتے ہیں یا ترک کر دیتے ہیں ہمارے
ذہنوں میں تو یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ منکرات تو بس یہی ہیں جنکو ہم ہر روز
دیکھتے اور سنتے رہتے ہیں۔ مثلاً اگر موٹر میں ریڈیو کھول دیا یا فلاں قہوہ خانے
میں خلاف شرع کام ہوا یا سر بازار کسی نے روزہ کھا لیا تو ہماری نظر میں
یہی منکرات ہیں اور انھیں سے روکنا چاہیے اور بزرگ ترین منکرات کی
طرف توجہ تک نہ دیں۔ جو لوگ رسوم کی حیثیت کو برباد کرتے ہیں ضعفاء
کے حقوق کو پامال کرتے ہیں....... انکو ہی ارشکر کرنا چاہیے۔

مثلاً جو خلاف شرع عمل کرتے ہیں یا جنایت کا ارتکاب کرتے

ہیں۔ اگر ان پر احتساب کیا جائے اور تمام اسلامی حکومتوں سے ہزاروں فیصلہ عام
بھیجے جائیں کہ یہ کام نہ کیا جائے تو یہ لوگ اس سے یقیناً رک جائیں گے۔ اگر حیثیت اسلام
کے خلاف، مصالح مردم کے خلاف کوئی کام انجام دیا جائے اور اس پبلک کے ہر گوشہ سے
تمام دباؤ، تحریں اور تعصب سے اس کی مخالفت کی جائے۔ تو یہ لوگ پیچھے ہٹ جائیں
گے اور اس کام کو انجام نہیں دیں گے۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ یہ پیچھے نہیں
ہٹیں گے؟ ہرگز نہیں یہ پیچھے ہٹ جائیں گے۔ میں انکو خوب پہچانتا ہوں۔
یہ بہت ڈرپوک ہیں۔ بہت جلد عقب نشین ہو جائیں گے لیکن جب انکو معلوم
ہو جائے گا کہ ہمارے یہاں کوئی حقیقت نہیں ہے تو وہ اپنے منصوبہ پر عمل کرتے رہیں گے۔

جس بات پر علماء متحد ہو جاتے تھے اور ہر شہر سے انکی پشت پناہی
ہوتی تھی وفود آتے تھے تقریریں ہوتی تھیں۔ اس میں یہ لوگ پیچھے ہٹ جاتے
تھے اور دستور دار کو منسوخ کر دیا تھا لیکن جب رفتہ رفتہ ہم کو سست دیکھ
کر دیا گیا۔ آپس میں اختلاف ڈال دیا گیا اور ہر ایک کے لیے "تکلیف شرعی"
معین ہو گئی۔ یہ لوگ جری ہو گئے اور اب وہ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ
جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ دعاء الی الاسلام مع رد المظالم ومخالفۃ
الظالم ــ امر بمعروف ونہی از منکر انھیں کاموں کے لیے ہے۔ بیچارہ عطار
اگر کوئی خلاف شرع کام کرتا ہے تو اس سے اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ بس اسی
کو ضرر پہنچتا ہے جو لوگ اسلام کو ضرر پہنچاتے ہیں اور مختلف طریقے سے لوگوں کو
قتل و غارت کرتے ہیں۔ انکو زیادہ امر بمعروف ونہی از منکر ہونا چاہیے۔

یہ باتیں اجتماعات میں بھی آتی رہتی ہیں۔ کبھی مذاق و شوخی کے عنوان سے اور کبھی
جدی اور دقیقی لحاظ سے کہ جب تک زندہ افراد کو عنوان بنا کر بروئے جج کئے
جاتے ہیں اور یہ لوگ اسے کھا جاتے ہیں۔ مدیر کے ایک عالم مجھ سے نقل
کر رہے تھے کہ ایک حادثہ میں مرحوم الوں کے یہ لوگ ایک لڑکی کفن لے کر گئے

مگر موذی دولت نے ہمکو وہاں تک نہیں لے جانے دیا۔ وہ لوگ خود ہی امر کو بجا
کرنا چاہتے تھے۔ ان کے لئے امر بمعروف و نہی از منکر ضروری ہے

اب میں آپ حضرات سے سوال کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت امیرؑ نے اس حدیث
میں جن مطالب کا ذکر فرمایا ہے کیا صرف حضرتؑ کے پاس والے اصحاب کے
لئے تھے؟ اعتبروا ایها الناس۔ کا خطاب کیا ہم سے نہیں ہے؟ ہم شمار
کیا ناس میں نہیں ہے؟ کیا ہمکو اس خطاب سے عبرت نہیں حاصل کرنی چاہیئے؟

جیسا کہ میں نے شروع میں ذکر کیا کہ مطلب کسی خاص گروہ سے متعلق
نہیں ہیں، بلکہ حضرت علیؑ کی طرف سے ہر امیر، فقیر، عالم، فقیہ، تمام دنیا، تمام انسان
تمام رند و افراد کے لئے یہ خطاب ہے۔ حضرتؑ کا فرمان قرآن کے مطابق ہے
اور جس طرح قیامت تک قرآن واجب الاتباع ہے، حضرتؑ کے احکام بھی واجب الاتباع
ہیں۔ لولا ینهاهم الربانیون۔ میں اگرچہ خطاب ربانیوں اور
احبار کی طرف ہے لیکن عموم افراد کے لئے یہ حکم ہے۔ چونکہ ربانیوں و احبار نا یہ
یا خوف کی وجہ سے ستمگروں کے ظلم پر خاموش رہے۔ داد فریاد اور تقریر کر کے
ظالموں کو اس کام سے روک سکتے تھے، مگر نہ روکنے کی وجہ سے باعث ملامت ہو گئے
اسی طرح علمائے اسلام اگر ستمگروں کے ظلم پر خاموش رہیں گے تو یہ بھی
مستحق ملامت ہوں گے

ثم انتم العصابة۔ عام لوگوں سے خطاب کے بعد علمائے اسلام
کے گروہ کو مخاطب کیا جا رہا ہے۔ عصابة بالعلم مشهورة وبالخیر
مذکورة وبالنصیحة معروفة وبالله فی انفس الناس مهابة یهابکم
الشریف ویکرمکم الضعیف ویؤثرکم من لا فضل لکم علیه ولا
ید لکم عنده تشفعون فی الحوائج اذا امتنعت من طلابها وتمشون
فی الطریق بهیبة الملوک وکرامة الاکابر الیس کل ذلک

انما نلتموه بما یرجی عندکم من القیام بحق الله۔ معاشرہ میں تمہاری
ہیبت و شوکت ہے۔ ملت اسلام تمہارا احترام کرتی ہے۔ معاشرہ میں
یہ عزت و احترام اس وجہ سے ہے کہ لوگوں کو انتظار ہے کہ ستمگروں کے مقابلے
میں آپ قیام کریں گے، مظلوموں کا حق ظالموں سے دلائیں گے۔ لوگ منتظر
ہیں کہ آپ قیام کر کے ستمگروں کا مقابلہ کریں۔

"ان کنتم عن اکثر حقه تقصرون فاستخففتم بحق الائمة
فاما حق الضعفاء فضیعتم واما حقکم بزعمکم فطلبتم فلا مالا بذلتموه
ولا نفسا خاطرتم بها للذی خلقها ولا عشیرة عادیتموها فی ذات الله
انتم تتمنون علی الله جنته ومجاورة رسله وامانا من عذابه،
لقد خشیت علیکم ایها المتمنون علی الله ان تحل بکم نقمة من
نقماته لانکم بلغتم من کرامة الله منزلة فضلتم بها ومن
یعرف بالله لا تکرمون وانتم بالله فی عباده تکرمون" تمکو
عزت و احترام حاصل ہو گیا مگر جب صاحب مرتبہ ہو گئے تو اسکے حق کو ادا کیا

وقد ترون عهود الله منقوضة فلا تفزعون وانتم لبعض
ذمم آبائکم تفزعون وذمة رسول الله محقورة (مخفورة)

اگر تمہارے بزرگوں کے لئے کوئی پیش آمد ہو یا خدا نخواستہ کوئی تمہارے
باپ کی بے حرمتی کرے تو بہت ناراحت ہوتے ہو اور فریاد کرتے ہو۔ حالانکہ
تمہاری نظروں کے سامنے الہی عہد و پیمان کو توڑا جاتا ہے، اسلام کی بے حرمتی کی جاتی ہے
مگر تمہاری آواز بھی نہیں سنائی دیتی۔ حد یہ ہے کہ دل سے ناراحت نہیں ہوتے
حالانکہ تمکو ان سے تکلیف پہنچتی ہے تو تمہاری آواز بلند ہو جاتی ہے۔

والعمی والبکم والزمنی فی المدائن مهملة لا ترحمون
اندھے گونگے، زمین گیر برباد ہو رہے ہیں کسی کو انکی فکر نہیں۔

ملت کے لئے کسی کو کوئی احساس نہیں ہے۔ ذرا سوچئے یہ ریڈیو میں بڑا ہنگامہ مچا ہوا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ ذرا قریب سے جا کر دیکھئے کہ لوگ کیسی زندگی بسر کر رہے ہیں سو دو سو میں ایک اسپتال بھی نہیں ہے۔ بیچارے، دور کے لوگوں کی کوئی فکر نہیں کی گئی ہے۔ اس کی بھی تو اجازت نہیں دیتے کہ اسلام نے فقراء کے لئے جو پروگرام عمل مرتب کیا ہے اس پر عمل کیا جا سکے۔ اسلام نے فقراء کی مشکل کو حل کر دیا ہے اسلامی پروگرام کے سرفہرست ہے۔ "انما الصدقات للفقراء ۔۔۔"

ہے اسلام کو شروع سے متوجہ تھا کہ پہلے فقراء کی طرف توجہ دی جائے، مگر اس کو کرنے کہاں دیا جاتا ہے۔ افراد ست فقر و فاقہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور ایران کے افراد حکومتی لوگوں سے تمام مالیات وصول کر کے اپنے حسب منشا خرچ کر رہے ہیں۔ فینٹم ہوائی جہاز خرید رہے ہیں تاکہ اسرائیل کے فوجی یہودی حکومت میں فوجی تربیت دیکھیں (اور سیکھیں)۔ اسرائیل۔ جو ابھی تک مسلمانوں سے جنگ کر رہا ہے اور اس کی تائید کرنے والے مسلمانوں سے جنگ کر رہے ہیں۔ کے یہاں ویر ہماری حکومت میں کھلے ہیں اور ایران نے اس کی ایسی تائید کی ہے کہ آج اسرائیلی آکر ہماری فوجی تربیت دیکھتے ہیں، ہماری حکومت اسرائیلیوں کے لئے پناہ گاہ ہے۔ ہمارے بازار ان کے ہاتھوں میں ہیں اگر یہی صورت حال رہی اور مسلمان یونہی خواب غفلت میں پڑے رہے تو یہ لوگ مسلمانوں کے بازار ختم کر دیں گے۔

ولا فی منزلتکم تعتصمون ولا من عمل فیہ (تعنون)

تم نے اپنے مرتبے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا اور نہ کوئی کام ہی کیا بلکہ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں اس کی بھی مدد نہیں کی

وما الا دھان والمصانعۃ عند الظلمۃ تامنون۔ کل ذلک مما امرکم اللہ بہ من النھی والتناھی وانتم عنہ غافلون۔

تمہاری خواہش و خوشی اس میں ہے کہ ظالم و مستبد علیحدہ پناہ رہیں۔ تمہارا احترام کریں مثلاً ایھا الشیخ الکبیر کہیں۔ اس کے بعد تمہیں کوئی فکر نہیں ہے کہ ملت پر کیا گزرتی ہے اور حکومت کیا کرتی ہے۔

"وانتم اعظم الناس مصیبۃ لما غلبتم علیہ من منازل العلماء لو کنتم تشعرون، ذلک بان مجاری الامور والاحکام علی ایدی العلماء باللہ الامناء علی حلالہ وحرامہ فانتم المسلوبون تلک المنزلۃ" علماء ہیں بھی منزلت ملتے ہیں یہ سب سے حق کو چھین لیا گیا مگر تم نے قیام نہیں کیا۔ یا حق آئمہ لے لیا گیا اور تم خاموش رہے۔ لیکن "علماء باللہ" فرمایا جس سے "ربانیون" اور پیشوائے ملت مراد ہیں۔ اہل فلسفہ و اہل عرفان مراد نہیں ہیں، "عالم باللہ" سے مراد احکام خدا کا جاننے والا ہے اور جسے ربانی و روحانی کہا جا سکے وہ مراد ہے۔ البتہ یہ اطلاق اس پر ہو گا جس میں روحانیت اور خدا کی طرف توجہ زیادہ ہو۔

"فانتم المسلوبون تلک المنزلۃ وما سلبتم ذلک الا بتفرقکم عن الحق واختلافکم فی السنۃ بعد البینۃ الواضحۃ ولو صبرتم علی الاذی وتحملتم المؤونۃ فی ذات اللہ کانت امور اللہ علیکم ترد وعنکم تصدر والیکم ترجع"

اگر تم ثابت قدم ہوتے، قیام بھی کرتے تو تم دیکھتے کہ امور سب تمہاری طرف ہوتے اور اس کی بازگشت تمہاری ہی طرف ہوتی۔ اگر اسلامی حکومت کا قیام ہو جاتا تو دنیا کی تمام سلطنتیں اس کے مقابل نہیں آسکتی تھیں۔ […] لیکن افسوس آپ کوتاہی ہے کہ ایسی حکومت کا قیام نہیں کیا جا سکتا بلکہ صدر اسلام میں بھی بعض نے حکومت ایسے افراد کے ہاتھ میں نہیں آنے دی جن سے خدا اور رسول خوش تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج صورت حال ہی دوسری ہوتی۔

ولكنكم مكنتم الظلمة من منزلتكم۔ جب تم نے اپنے فریضہ پر عمل نہیں کیا، اور حکومت کو چھوڑ دیا تو ظالمین کو یہ موقع مل گیا کہ حکومت پر قبضہ کر لیں

واستسلمتم امور الله في ايديهم يعملون بالشبهات ويسيرون في الشهوات۔ سلطهم على ذلك فراركم من الموت واعجابكم بالحياة التي هي مفارقتكم فاستسلمتم الضعفاء في ايديهم فمن بين مستعبد مقهور وبين مستضعف على معيشة مغلوب "

یہ ساری باتیں ہمارے دور حاضر پر منطبق ہیں بلکہ جس زمانے میں حضرت نے ارشاد فرمایا تھا اس سے زیادہ آج ہمارے زمانے میں یہ چیزیں منطبق ہیں۔

" يتقلبون في الملك بآرائهم ويستشعرون الخزي بأهوائهم اقتداء بالاشرار وجرأة على الجبار في كل بلد منهم على منبر خطيب يصقع۔

اس زمانے میں خطیب منبر پر ستمگاروں کی تعریف کیا کرتا تھا۔ اور آج ریڈیو شور و غل مچاتا ہے جو خلاف اسلام ظالموں کے لئے لڑتا رہتا ہے اور احکام اسلام کو مسخ کرکے پیش کرتا ہے

فالارض لهم شاغرة۔ آج زمین ظالموں کے لئے آمادہ ہیں۔ کوئی ان کو روکنے والا نہیں۔ اور ذکر الٰہی کے خلاف قیام کرنے والا ہے

وايديهم فيها مبسوطة والناس لهم خول لا يدفعون يد لامس فمن بين جبار عنيد وذي سطوة على الضعفاء شديد مطاع لا يعرف المبدئ المعيد فيا عجبا ومالي لا اعجب والارض من غاش غشوم ومتصدق ظلوم وعامل على المؤمنين بهم غير رحيم فالله الحاكم فيما فيه تنازعنا والقاضي بحكمه فيما شجر بيننا۔

اللهم انك تعلم انه لم يكن ما كان منا تنافسا في سلطان

ولا التماسا من فضول الحطام ولكن لنري المعالم من دينك ونظهر الاصلاح في بلادك ويأمن المظلومون من عبادك ويعمل بفرائضك وسننك واحكامك۔

فانكم ان لم تنصرونا وتنصفونا قوي الظلمة عليكم وعملوا في اطفاء نور نبيكم وحسبنا الله وعليه توكلنا واليه انبنا واليه المصير۔

آپ خود ہی ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ خود یہ حدیث علماء سے مربوط ہے اور ان باتوں کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ علماء سے مراد آئمہ معصومین ہیں۔ علمائے اسلام "علماء باللہ" ہیں اور قرآن میں ربانی ایسے شخص کو کہتے ہیں جو خدا پر اعتقاد رکھتا ہو۔ احکام خدا کی حفاظت کرتا ہو احکام خدا کا عالم ہو۔ حلال و حرام خدا کا امین ہو۔

حضرت کا یہ ارشاد ہمارے دور کے علماء کے بارے میں ہے۔ وہ سارے زمانوں کے لئے نہیں ہیں؟ یا صرف اہل مدینہ ہی مخاطب نہیں ہیں۔ خود روایت اور خطبہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امیرؑ کی نظر وسیع تھی۔ ایک ایسی وسیع نظر تھی جو قیام بحق کر سکے۔

اگر علماء حرام و حلال الٰہی کے امین ہو جائیں اور علم و عدالت کے حامل بن جائیں، حکم الٰہی کا اجرا کرنے لگیں۔ حدود کو جاری کرنے لگیں احکام و امور اسلام ان کے ہاتھ میں آ جائیں تو پھر ملت سے چارہ نہیں رہ سکتی۔ احکام اسلام معطل نہیں ہو سکتے۔

یہ حدیث ہماری بحث کی مؤید ہے۔ اگر سند ضعیف نہ ہوتی تو اسکو اول دلیل شمار کیا جا سکتا ہے۔

-- * --

"ولایت فقیہہ" کا موضوع ختم ہو گیا اب اس موضوع پر گفتگو نہیں کرنا
چاہئے اس کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ اس موضوع کے فروع ـ مثلاً
زکوٰۃ کیوں کر ہو؟ حدود کیسے جاری کئے جائیں؟ ـ پر بحث کی جائے۔ میں نے
"حکومت اسلامی" کے اصول کی تحقیق کر دی اور عرض کر چکا کہ رسول خدا اور آئمہ معصومین
کے لئے جو ولایت ثابت ہے وہ فقہاء کے لئے بھی ثابت ہے۔ اس میں کوئی
شک نہیں ہے۔ البتہ اگر دلیل سے کوئی چیز خارج ہو جائے تو ہم بھی اس کو
خارج جانیں گے۔

یہ موضوع ـ ولایت فقیہہ ـ کوئی نیا موضوع نہیں ہے کہ جس
کو میں نے بیان کیا ہے۔ بلکہ شروع ہی سے یہ مسئلہ محل بحث رہا ہے۔ مرحوم
میرزائے نائینی کا تمباکو کی حرمت کا حکم چونکہ حکومتی حکم تھا اس لئے دوسرے
فقہاء پر بھی واجب الاتباع تھا اور ایران کے تمام بزرگ علماء ـ چند کو چھوڑ
کر ـ نے اس حکم کی پابندی بھی کی تھی۔ حرمت تمباکو کا حکم
قضاوت نہیں تھا کہ چند افراد کے درمیان اس میں اختلاف رہا ہو اور مرحوم
میرزا نے اپنی تشخیص کے مطابق حکم دے دیا ہو۔ مصالح مسلمین اور بعنوان ثانوی
مرحوم نے اس حکومتی حکم کو صادر فرمایا تھا اور جب تک عنوان موجود تھا یہ حکم بھی
تھا جب عنوان ختم ہو گیا تو حکم بھی ختم ہو گیا۔

میرزا محمد تقی شیرازی مرحوم نے جو جہاد کا حکم دیا تھا ـ البتہ اس کا نام
دفاع تھا ـ اور تمام علماء نے اس کی متابعت کی تھی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ
یہ حکم بھی حکومتی تھا۔

جیسا کہ مجھ سے نقل کیا گیا ہے خود کاشف الغطاء مرحوم بھی بہت
سے ان مطالب کے قائل تھے یہ کہ جیسا کہ متاخرین میں سے علامہ نراقی
مرحوم بھی تمام شؤون رسول خدا کو فقہاء کے لئے ثابت جانتے تھے

آغائے نائینی مرحوم بھی فرماتے تھے کہ "مقبولہ عمر بن حنظلہ" سے یہ مطلب ثابت
ہوتا ہے بہر حال یہ بحث نئی نہیں ہے میں نے موضوع پر زیادہ تفصیل سے روشنی
ڈالی ہے اور حکومت کے شعبوں کا ذکر کر کے آپ حضرات کے ہاتھوں میں دے دیا
ہے تاکہ مسئلہ اور واضح ہو جائے۔ تھوڑے سے روز مرہ کے جن مسائل کا ذکر
کر دیا ہے۔ ورنہ مطلب وہی ہے جس کو بہت سے لوگ پہلے ہی سے جانتے ہیں۔
میں نے اصل موضوع کی بنیاد رکھ دی ہے۔ اب موجودہ نسل اور
آئندہ نسل کا فریضہ ہے کہ اطراف موضوع پر غور و بحث کر کے اس کے حصول کی کوشش
کریں سستی مایوسی وغیرہ کو اپنے سے دور کریں اور انشاء اللہ تعالیٰ کیفیت
تشکیل و تمام متفرقات کو شوریٰ اور تبادلۂ خیال کے ذریعے حاصل کریں اور اسلامی
حکومت کے ہاتھوں کو جانے والے امین، عقلمند، معتقد حضرات کے سپرد کریں اور
خائن کے ہاتھوں کو حکومت (وطن) بیت المال تک نہ پہنچنے دیں اور امید
رکھیں کہ خدائے قادر ان کے ساتھ ہے۔

حکومت اسلامی کی تشکیل کا پروگرام

حکومت اسلامی کے لئے واقعی طور پر کوشش کرنا ہمارا فریضہ ہے۔
سب سے پہلے تو ہم کو اس سلسلے میں تبلیغات سے کام لینا چاہئے۔ ہمیشہ ایسا ہی
دنیا میں ہوتا رہا ہے کہ پہلے چند آدمی مل کر بیٹھتے تھے، فکر کرتے تھے اور مصمم
ارادہ کر کے تبلیغ شروع کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ کچھ ہم نوا بھی پیدا ہو جاتے تھے۔
اور آخر میں ایک مستقل حکومت کی صورت میں ظاہر ہو جاتے تھے یا موجودہ حکومت
سے جنگ کر کے اس کو ختم کر کے دوسری حکومت قائم کرتے تھے۔ محمد علی میرزا کو
ختم کر کے مشروطہ حکومت کی تشکیل ہوئی تھی۔ ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ شروع

میں لاؤ لشکر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ صرف تبلیغ سے کام لیا جاتا ہے۔ ناپسندیدہ افراد کو
حکام کے ملک کو آگاہ کرتے تھے کہ یہ لوگ نالائق ہیں۔ رفتہ رفتہ دائرہ تبلیغ
وسیع ہوتا رہتا تھا اور معاشرہ کے تمام افراد اس میں شامل ہو جاتے تھے اور پھر
لوگ بیدار ہو کر فعال ہو جاتے تھے اور نتیجہ تک پہنچ جاتے تھے۔

آپ کے پاس اس وقت نہ تو لشکر ہے نہ حکومت ہے صرف تبلیغ کا ذریعہ
ہے اور دشمن کے بس کی یہ بات نہیں ہے کہ آپ کے تمام تبلیغی وسائل کو ختم کر دے۔
لیکن اس کے ساتھ عبادی مسائل کو بتاتے رہنا چاہیے لیکن اہم تر یہ مسئلہ اسلامی سیاست
ہے۔ اسلام کے اقتصادی اور حقوقی مسائل ہیں۔ انہیں پر ہمیشہ سے دار و مدار
رہا ہے اور رہنا بھی چاہیے۔ ہمارا فریضہ ہے کہ ابھی سے ایک واقعی حکومت
اسلامی کی بنیاد رکھنے میں کوشش سے کام لیں۔ تبلیغ کریں، تعلیم دیں، ہم نوا بنائیں۔ ایک
تبلیغی و فکری سلسلہ شروع کریں تاکہ ایک اجتماعی صورت پیدا ہو جائے اور
رفتہ رفتہ گروہ در گروہ دین دار افراد نہضت اسلام کے لئے قیام کریں۔ اور
اسلامی حکومت کی تشکیل کریں۔

تبلیغ و تعلیم ہی دو اہم بنیادی چیزیں ہیں۔ فقہاء کا فریضہ ہے
کہ اسلام کے عقائد و نظام احکام کی تبلیغ کریں اور لوگوں کو تعلیم دیں۔ تاکہ اجرائے
احکام اور نظام اسلام کی برقراری کے لئے معاشرے میں زمین ہموار ہو جائے
آپ نے خود ملاحظہ فرمایا کہ حدیث میں فقہاء کی صفت ---
"یعلمون الناس --- "لوگوں کو مسائل کی تعلیم دیتے ہیں" آئی ہے۔
بالخصوص ایسے شرائط کے سلسلے میں، استعماری سیاستیں، ستمگر حکام، خائن
حکام، یہودی، نصرانی، مادہ پرست، حقائق اسلام کی تحریف اور مسلمانوں
کو گمراہ کرنے کی فکر میں لگی رہتی ہیں۔ اس سلسلے میں تبلیغ و تعلیم کی مسئولیت ہر وقت
سے زیادہ ہمارے اوپر ہے۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہودیوں نے

"خذلهم الله"۔ قرآن میں تحریف کر دیا ہے اور جو قرآن ان ملکوں میں
شائع ہوئے ہیں، ان میں کافی تحریفات ہیں۔ ہمارا فریضہ ہے کہ اس قسم کے خائنانہ
تحریفات کو روکیں اس پر ہنگامہ کرنا چاہیے، لوگوں کو متوجہ کرنا چاہیے تاکہ لوگوں کو
معلوم ہو جائے کہ یہودی اور ان کے پشت پناہ سب ہی اسلام کے مخالف ہیں۔
یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں یہودی حکومت قائم ہو جائے اور چونکہ یہ لوگ بہت سوچ کر
کام کرنے والے ہیں اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو جائیں
اور ہم میں سے بعض کی سستی کا نتیجہ کہیں یہ نہ ہو جائے کہ ہمارے اوپر یہودی حکمراں ہو جائے۔
خدا وہ دن نہ لائے دوسری طرف کچھ مستشرقین جو استعماری موسسات کے عمل ہیں ان کی
بھی یہی کوشش ہے کہ حقائق اسلام کو تحریف کر کے پیش کریں استعماری مبلغین ہمارے
ہیں اسلامی شہروں کے گوشے گوشے میں ہو رہے ہیں نوجوانوں کو غلط تبلیغ کر کے ہم سے الگ
کرنا چاہتے ہیں۔ وہ یہودی یا نصرانی نہیں بنانا چاہتے وہ تو بے دین و لا ابالی بنانا چاہتے
ہیں۔ استعمار گروں کے لئے یہی کافی ہے۔ خود ہمارے تہران میں مرکز تبلیغات
موجود ہیں کلیسا، صہیونیت اور بہائیت کا وجود ہو چکا ہے جس سے لوگوں کو گمراہ کر کے
بے دین بنا دیں۔ کیا ایسے مراکز، جو اسلام کے لئے نقصان دہ ہیں، کا برباد کر دینا
ہمارا فریضہ نہیں ہے؟ کیا صرف نجف کا باقی رہنا ہمارے لئے کافی ہے؟ علاوہ
بھی نہیں ہے کیا قم میں بیٹھ کر ماتم مناتے رہیں یا ان کے برخلاف زندہ و فعال رہیں؟

آپ حضرات جو نسل جوان ہیں آپ کا فریضہ ہے کہ حوزہ ہائے روحانیت کو باقی رکھیں اور انہیں
کو زندہ رکھیں۔ آپ جوان ہیں اپنی فکروں میں تکامل پیدا کیجئے علوم محمد وآل محمد و حقائق
کی طرف جو افکار گردش کرتے ہیں۔ انکو چھوڑ دیجئے کہ یہ ریزیں ہم سے
بیتوں کو احساس مسؤلیت سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ اسلام کی مدد کیجئے، مسلمانوں کو
خطرات سے بچائیے۔ یہ لوگ اسلام کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام اور وحدت اسلامی
کے نام پر اسلام کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ تمام حوزہ ہائے علمی و دانشگاہ کے مبلغین

ـ خواہ وہ استعمار کے تابع ہوں یا ایسے روشن فکر ہوں جو دیہاتوں میں جا کر ہمارے بچوں اور نوجوانوں کو خراب کر رہے ہیں ـــ کے ساتھ انصاف کیجئے۔

آپ کا فریضہ ہے جو علم فقہ آپ نے حاصل کیا ہے۔ اسکو لوگوں میں نشر کریں یاد رکھئے ہمیں مسائل لوگوں کو بتانے ہیں۔ روایت میں اہل علم کی جو تعریف و تمجید آئی ہے وہ اس لئے ہے کہ احکام و عقائد و نظام اسلام کا تعارف کرائیں۔ حضرت رسولؐ کی تعلیم لوگوں کو دیجئے اور تبلیغ و تعلیم میں کوشش کیجئے۔ اسلام کے سلسلے میں جو ابہام پیدا کر دیا گیا ہے ہمارا فریضہ ہے کہ اس کو دور کریں۔ ہمکو چاہیئے کہ خود اور آنے والی نسلوں کو آمادہ کریں۔ وہ ان کو بتائیں کہ ہم اپنے بعد آنے والی نسلوں کو آمادہ کر دو کہ چند صد سالہ غلط تبلیغ کا اثر جو ذہنوں میں پیدا ہو گیا ہے، حد یہ ہے کہ بہت سے پڑھے لکھے ذہن بھی اس کے شکار رہ گئے ہیں۔ اسکو ختم کریں اور اسلام کی صحیح تعلیم ذہن نشین کرائیں۔ حکومت اسلامی کا تعارف کرائیں تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اسلام کیا ہے۔؟ اس کے قوانین کیسے ہیں؟ آج حوزہ قم، حوزہ مشہد اور دیگر حوزہ ہائے علمیہ کا فریضہ ہے کہ اسلام کی تبلیغ کریں۔ لوگ اسلام کو نہیں پہچانتے۔ آپ کو چاہیئے اپنے کو، سچے اسلام کو، رہبری کے نظریے کو، حکومت اسلامی کو دنیا کو پہچنوائیں۔ خصوصاً عقلمندوں کو، پڑھے لکھے افراد کو، طلاب کو بتائیں طلباء کی آنکھیں کھلی ہیں اگر انکو صحیح اسلامی حکومت کا تعارف کرایا جائے تو آپ یقین رکھیے یونیورسٹی کے طلب و استقبال کریں گے۔ طلباء ظلم و استبداد کے مخالف ہیں۔ استعماری حکومتوں کے مخالف ہیں۔ اموال عمومی کے غارت گروں کے مخالف ہیں۔ حرام خوری اور دروغ گوئی کے مخالف ہیں۔ لیکن ایسے اسلام جس کی تعلیم ایسی ہے جیسا کہ بیان کر چکے۔ اس کا کوئی طالب علم اور کوئی یونیورسٹی مخالف نہیں ہے۔ ان کے ہاتھ نجف اشرف کے حوزہ علمیہ کی طرف بڑھے ہوئے ہیں کہ ہمارے لئے کچھ فکر کیجئے۔ کیا ہم بیٹھے رہیں، جب تک کہ خود وہ لوگ ہیں

امر بمعروف کے انجام دہی کی دعوت دی؟ یورپ کے جہلا ہمکو دعوت دیں کہ ہم نے حوزہ اسلامی کی تشکیل دے لی ہے۔ آپ ہماری مدد کیجئے؟ ہمکو امر بمعروف کیجئے؟ ہمارا فریضہ ہے کہ ان مطالب کی یاد دہانی کرائیں۔ اسلامی حکومت کا طریقہ، عہد اسلام میں حکام اسلام کا جو یہ بیان کیا اور یہیں کہ دار الامارہ ایک "القضاء اور وزارت عدل و انصاف" کا وجود مسجد کے گوشے میں تھا اور حکومت کا دامن انتہائے ایران، مصر، حجاز، یمن تک پھیلا ہوا تھا۔ افسوس جب حکومت بعد والے طبقہ تک پہنچی تو طرز حکومت بدل گیا۔ طرز حکومت سلطنتی۔ بلکہ اس سے بھی بدتر۔ ہو گیا۔

ان مطالب کو لوگوں تک پہنچانا چاہیئے اور ان کو سیاسی و فکری رشد دینا چاہیئے۔ انکو بتانا چاہیئے کہ ہم کس قسم کی حکومت چاہتے ہیں۔؟ ہمارے حکام کو کیسا ہونا چاہیئے؟ ان کو کس قسم کی سیاست پر عمل کرنا چاہیئے؟

اسلامی حکومت کا ذمہ دار وہ ہے جو اپنے حقیقی بھائی۔ حضرت عقیلؑ۔ کے ساتھ ایسا سلوک کرے کہ پوری زندگی بھر ایک مقدار اضافہ مانگنے کی ہمت نہ کرے ہم کو ایسے حاکم کی ضرورت ہے۔ ہم ایسا حاکم چاہتے ہیں۔ ایسا حاکم جو قانون کا اجراء کر سکے۔ نہ یہ کہ خواہش کا بندہ ہو۔ تمام لوگوں کو قانون کی نظر میں برابر سمجھے۔ افراد کے درمیان امتیاز سے کام نہ لے۔ اپنے اور دوسرے کے فرزند کو ایک نظر سے دیکھے اگر بیٹا چوری کرے تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دے۔ اگر بھائی ہیروئن فروشی کرے تو اسکو بھی اعدام کرے۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ لوگوں کو دس گرام ہیروئن کی خاطر قتل کر دے اور کچھ لوگوں کے پاس سینکڑوں من ہیروئن ہو کر ان سے کچھ نہیں کہے۔

تبلیغات و تعلیمات کیلئے اجتماعات

اسلام کے بہت سے عبادی احکام ایسے ہیں کہ ان سے اجتماعی و سیاسی فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اسلامی عبادتیں معاشرہ کے تدبیر و سیاست کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔ مثلاً نماز جمعہ و جماعت، حج وغیرہ آثار اخلاقی و اعتقادی کے ساتھ آثار سیاسی بھی اس میں موجود ہیں۔ اسلام نے اس قسم کے اجتماعات کا اہتمام کیا ہے، تاکہ اس سے دینی فوائد بھی حاصل کئے جا سکیں۔ مؤلف برادران کو تقویت پہنچے۔ فکری رشد اور زیادہ ہو جائے اپنی اجتماعی و سیاسی مشکلات کا راستہ تلاش کر لیا جائے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ عبادت بھی ہوتی رہے۔ غیر اسلامی ممالک یا غیر اسلامی حکومتیں جب اسلامی حکومتوں میں ایسے اجتماعات کرنا چاہتے ہیں تو کروڑوں روپئے کے خرچ کرنے پر مجبور ہیں، مگر اس کے ساتھ ان کے اجتماعات بے معنا اور آثار خیر سے عاری ہوتے ہیں۔ اسلام نے ایسا انتظام کیا ہے کہ ہر شخص خود ہی چاہتا ہے کہ حج کرنے جائے۔ خود ہی اپنے شوق سے نماز جماعت میں شرکت کرے۔ اس قسم کے اجتماعات میں ہم کو دینی تبلیغات اور تعلیمات اور ضمنت اعتقادی و سیاسی اسلامی کا فائدہ حاصل کرنا چاہئے۔ کچھ لوگوں کو اس کی پرواہ ہی نہیں ہے۔ انکو اس کے علاوہ کوئی فکر نہیں ہے کہ "ولا الضالین" کو کس طرح سے اچھی طرح ادا کر سکیں۔ حج میں جا کر برادران اسلامی تفاہم کرنے اور احکام اسلام کے نشر کرنے کی بجائے تجارت کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ حالانکہ چاہیئے وہاں پر مسائل کے ملکی مصائب و مشکلات کا حل تلاش کریں۔ مثلاً فلسطین جو دل اسلام ہے اسکو آزاد کرانے کے لئے اپنے اختلافات کو چھوڑ کر باہم سر جوڑ کر کوششیں کریں۔ جمہور اسلام کے مسلمان حج و جمعہ و جماعت کے اجتماع میں اہم کام انجام

دے لیا کرتے تھے۔ خطبہ جمعہ میں یہ نہیں تھا کہ ایک سورہ اور دعا پڑھ لیں اور چند کلمے ادا کر دیے اور بس۔ بلکہ جمعہ کے خطبوں میں لشکر کی تیاری کا اعلان ہوتا تھا لوگ مسجد سے میدان جنگ کی طرف چلے جاتے تھے۔ ظاہر ہے جو مسجد سے میدان جنگ کی طرف جائے گا وہ خدا کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرے گا وہ قتل ہونے، آوارہ وطن ہونے سے نہیں ڈرے گا۔ اس قسم کا لشکر نتیجۃً کامیاب ہوتا تھا۔ اگر آپ جمعہ کے خطبے حضرت علی کے خطبوں کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا۔ ان خطبوں کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو راستہ پر لگایا جائے، ان میں حرکت پیدا کی جائے، انکو جنگ کے لئے آمادہ کیا جائے اسلام کے لئے فدا کاری اور جاں نثاری تیار کئے جائیں۔ دنیا کے لوگوں کی پریشانیوں کو دور کیا جائے۔ اگر مسلمان ہر جمعہ کو مجتمع ہو کرتے، مسلمانوں کے اجتماعی مشکلات کا تذکرہ کیا کرتے اور اسکے رفع کی کوشش کیا کرتے تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ مسلمانوں کے لیے ایسے اجتماعات کا فراہم کرنا ضروری ہے تاکہ اس سے تبلیغات و تعلیمات کا استفادہ کر سکیں۔ اس طرح سے اسلام کی اعتقادی و سیاسی ضمنت وسعت پیدا کرے گی اور اسکی ترقی نصیب ہو گی۔

ایک اور عاشورہ کا وجود ضروری ہے

اسلام کو پیش کیجئے اور عاشورہ کی طرح لوگوں میں اس کو پیش کیجئے جس طرح عاشورہ کو محفوظ رکھا گیا ہے کہ لوگ اس دن ماتم کرتے ہیں، اجتماع کرتے ہیں۔ ان کے مکتب میں پا کر اسلام۔ اسی طرح آپ ایک کام کیجئے کہ حکومت کے لئے ایک موج پیدا کر دے، اس میں بھی منبر کی بنیاد ڈالیں اور لوگوں کے ذہن میں صحیح اسلام کو پیش کریں۔

اگر اسلام کی معرفی کی جائے اور اسلام میں اجتماعی نظام، اصول و احکام

سے لوگوں کو سمجھا دیا جائے تو خدا شاہد ہے، مشتاق کامل لوگ اس کا استقبال
کریں گے کیونکہ اسکے چاہنے والے بہت ہیں میں نے تجربہ کیا ہے جس وقت
کوئی تقریر ہوتی تھی لوگوں میں ایک ہیجان پیدا ہو جاتا تھا کیونکہ تمام لوگ اس
وضع سے ناراض و ناراحت ہیں۔ کیونکہ لوگ نیزہ پر کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔
لوگ تو ایک ایسے شخص کے خواہشمند ہیں جو میدان میں آئے اور ہمدردی کے ساتھ
گفتگو کر سکے۔ آپ اسلام کے لیڈر مذہب ہیں۔ آپ کو مردانہ وار کھڑا ہونا چاہیے
اور لوگوں کے لئے تقریر کرنی چاہیے۔ حقائق کو وہ زبان میں لوگوں
کے لئے بیان کیجئے اور ان کو حرکت میں لائیے۔ کیونکہ ہر دور کے لوگوں میں
ارے انھیں مزدور دروس ہے، پاک دل دیہاتیوں میں بہت متقی طلبہ میں
مجاہد بنائیے۔ تمام لوگ مجاہد بن جائیں گے۔ معاشرے کے ہر قسم کے لوگ اس
بات پر آمادہ ہیں کہ ملت کی سعادت اور آزادی و استقلال کے لئے مبارزہ کریں۔
"آزادی و سعادت کے لئے مبارزہ دین کا محتاج ہے۔ اسلام جو مکتب جہاد و دین
مبارزہ ہے، اسکو لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچائیے تاکہ وہ اپنے عقائد و اخلاق کو
اسی کے سانچے میں ڈھال لیں اور پھر مجاہدانہ سرگرمی کے ساتھ استعماری حکومت
کو سرنگوں کرکے اسلامی حکومت قائم کریں۔ "فقہاء اسلام کے قلعے" ہیں۔ ان
کو چاہیے عقائد و نظام اسلام کی معرفی کریں، اس کی حفاظت کریں اور اس
معرفی و حفاظت کو دھواں دھار تقریروں میں ثابت کریں۔ اس طرح اگر ایک سو بیس
سال تک تبلیغ کرتے رہیں تب لوگوں کو احساس ہوگا کہ ہاں، اسلام پر کوئی مصیبت
پڑی ہے اور اس میں کوئی خلا پیدا ہو گیا ہے اور روایت کی نبات میں۔
ثلمة فی الاسلام ثلمة لا یسدها شیء کا مصداق ہو گیا ہے۔ یہ جو
حضرات آئمہ نے فرمایا ہے کہ فقیہ کے مرنے سے دیوار اسلام میں ناقابل بند ستگی
خلا پیدا ہو جاتا ہے، کیا اس سے میری موت مراد ہے کہ میرے دن بھر گزرتی ساتھ

کرنے کے علاوہ کوئی بھی کام نہیں کرتا۔ ؟ مثلاً میرے مرنے سے کون سا خلا پیدا ہو جائے
گا اسلام میں خلا اس وقت پیدا ہوتا ہے جب امام حسینؑ جیسی شخصیت دنیا سے
اٹھ جاتے جو عقائد دینی اور نظام اجتماعی اسلام کے محافظ ہیں۔ جیسے
خواجہ نصیر الدین طوسیؒ، علامہ حلیؒ وغیرہ۔ ان کے مرنے سے اسلام میں
خلا پیدا ہو جاتا ہے۔ میرے یا آپ کے مرنے سے کیا دیوار اسلام میں خلا پیدا ہوگا،
کیا ہم اس روایت کے مصداق ہیں؟ ہم میں سے ہزاروں آدمی بھی مر جائیں تو کوئی اثر
نہیں پڑے گا ہم یا تو واقعی طور پر فقیہ نہیں ہیں یا پھر واقعی طور پر مومن نہیں۔

طویل سفر

کسی عقلمند کو یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ ہماری تبلیغ و تعلیم سے بہت جلد اسلامی
حکومت بن جائے گی۔ اسلامی حکومت کے قیام کے لئے مختلف قسم کی مدت مسلسل
مراحل ہے۔ اس مقصد کی تکمیل میں بہت مدت کی ضرورت ہے۔ زمانے
کے عقلمند ایک پتھر ایک جگہ پر رکھ دیتے ہیں کہ دو سو سال کے بعد کوئی
دوسرا عمارت بنیاد رکھے اس طرح وہ لوگ اپنے مقصد پر پہنچ جاتے ہیں۔ خلیفہ
نے ایک بڈھے سے کہا جو اخروٹ کا درخت لگا رہا تھا کہ بڑے میاں ایسا
درخت لگا رہے ہو کہ تمہارے مرنے کے پچاس سال بعد اس پر پھل آئے گا۔ بڈھے
نے کہا کہ دوسروں نے لگایا تھا ہم نے کھایا اب ہم لگا رہے ہیں تاکہ دوسرے
کھائیں۔

ہماری فعالیت کا نتیجہ اگر آنے والی نسلوں کے لئے ہو تو ہمکو
مسلسل کوشش کرنی چاہیے کیونکہ اسلام کی خدمت ہے۔ انسانوں کی سعادت
کے لئے یہ کام ہے۔ کوئی مشخص چیز نہیں ہے کہ ہم یہ کہہ کر ٹال دیں کہ

کو بھی اس کا تجربہ ایک تو حاصل ہو گا دوسروں کو اس سے فائدہ ہوگا کس سے ہم سے کیا واسطہ؟ سید الشہداءؑ نے اپنے تمام مادی جہت کو داؤ پر لگا دیا اگر حضرتؑ اس قسم کی فکر کرتے اور تمام کام ذاتی فائدے کے لئے انجام دیتے تو مشہور ہی ہے بیعت کر لیتے تقیہ کر سکتا تھا۔ اموی حکومت تو خدا سے چاہتی تھی کہ حسینؑ بیعت کر لیں اور حکومت کا یہی مقصود ہے۔ ان کے لئے اس سے بہتر کیا ہو سکتا تھا کہ امام وقت خاموش رہیں، انکو "امیر المومنین" کہیے اور انکی حکومت کو قبول کر لے لیکن حضرتؑ تو اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کی فکر کر رہے تھے کہ مستقبل میں میرے مقدس جہاد کا نتیجہ یہ ہو کہ اسلام کا سیاسی و اجتماعی نظام انسانوں میں نشر ہو سکے اس لئے آپؑ نے اتنی بڑی قربانی دی۔

جس روایت کو پہلے عرض کر چکا ہوں اس میں وقت تفرقے کا بیان ہے کہ امام جعفر صادقؑ جو تقیہ کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ قوت اجرائی انکے پاس نہیں تھی! اکثر اوقات ہی صحرا دشواری میں بسر ہو جاتے تھے۔ مسلمانوں کی فکر میں رہتے تھے۔ لہذا ان کے لئے تکلیف معین کر گئے۔ حاکم اور قاضی متعین کر گئے حضرتؑ کے اس کام کا کیا مقصد تھا۔؟ اصولاً اس عزل و منصب کا کیا فائدہ تھا؟ وسیع الفکر حضرات کبھی یہ سوچ نہیں رہا کرتے اور اپنی وضع فعلی کی قید میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور یہ بھی معلوم نہیں قید سے چھٹکارا نصیب ہو گا یا نہیں۔ کو نہیں سوچتے اپنے مقصد کی جہت ورفت کے لئے جس طرح کی ہو نقشہ بناتے رہتے ہیں تاکہ اگر ہو سکے تو خود کو اس مقصد کی تکمیل کر سکیں اور اگر ان کو زندگی مہلت نہ دے تو دوسرے حضرت چاہے دو سو تین سو سال کے بعد سہی۔ اس مقصد کی تکمیل کر سکیں زیادہ تر نقشہ جات ایسے ہی ہوتے ہیں۔

ذہنیت کے مطابق تعمیر ہو جو حکمرانوں سے متعلق بھی اس فکر میں مبتلا رہا کرتے تھے اور ایسے نقشے بنا گئے کہ بعد میں خود انہوں نے اسکو عملی جامہ پہنایا۔

امام جعفر صادقؑ نے منصب بھی مقرر فرمایا ہے حضرتؑ کا یہ نصب العین ان کے لئے تھا تو یقیناً فائدہ مند نہیں تھا لیکن حضرتؑ تو آئندہ کی فکر کر رہے تھے جیسا کہ اسی طرح نہیں تھے کہ صرف اپنی فکر کرو بلکہ آپؑ امت کی فکر کرتے تھے پیغمبرؐ کے بعد فکر کیا کرتے تھے تمام دنیا کے لئے فکر کرتے تھے۔ آپؑ انسانوں کی اصلاح کرنا چاہتے تھے عدل کے قوانین نافذ کرنا چاہتے تھے۔ ایک ہزار دو سو سال پہلے اس وقت تک کے لئے بنیاد رکھنی چاہیئے کہ ملتیں بیدار ہو جائیں۔ ملت اسلام آگاہ ہو جائے اور قیام کرے پھر کوئی تبدیلی ہو جائے حکومت اسلامی کی وضع اسی میں اسلام معلوم و مشخص ہو جائے۔

اصولی طور پر دین اسلام، مذہب شیعہ اور باقی مذاہب و ادیان نے اس طرح ترقی کی ہے۔ یعنی ابتدا اس کے بنیاد گزار ہیں کے اور کچھ نہیں تھا اور پھر رہبروں اور علماء دین کی کوشش سے ثمر خیز ہوا۔

جناب موسیٰؑ ایک جگہ گلہ بان تھے۔ اور بس۔ مدتوں گلہ بانی کرتے رہے اور جب فرعون کے مقابلے میں مامور ہوئے، تو کوئی مددگار نہیں تھا۔ لیکن اپنی ذاتی صلاحیت اور عصا کے ساتھ قیام کر کے فرعون کی حکومت کے پرخچے اڑا دیئے۔ اگر خود موسیٰؑ کا عصا ہمارے اور آپ کے ہاتھ میں ہوتا تو کیا ہم اور آپ یہ کام انجام دے سکتے تھے؟ اس عصا سے بساط فرعون کو الٹنے کے لئے موسیٰؑ کی ہمت و کوشش درکار ہے۔ ہر شخص کا کام نہیں ہے پیغمبر اسلامؐ جب مبعوث برسالت ہوئے اور تبلیغ شروع کی تو ایک آٹھ سالہ بچہ (حضرت علیؑ) اور چالیس سالہ عورت (جناب خدیجہؑ) حضرتؐ پر ایمان لائیں۔ ان دو کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ دنیا جانتی ہے کہ حضرتؐ کو کتنی اذیتیں پہنچائی گئیں اور کس قدر [illegible] کی [illegible] ۔ لیکن آپ مایوس نہیں ہوئے

اور نہ یہ فرمایا کہ میرے پاس کوئی نہیں ہے۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔ بلکہ آپ نے روحانی قدرت اور عزم محکم کے ساتھ قیام فرمایا اور رسالت کو اس منزل پر پہنچا دیا کہ آج سات سو ملین شخص آپ کے جھنڈے کے نیچے موجود ہیں۔

مذہب شیعہ بھی شروع ہوا۔ جس دن پیغمبر اسلام نے اسکی بنیاد رکھی تھی لوگوں نے مذاق اڑایا تھا۔ جب آپ نے (دعوت ذوالعشیرہ) لوگوں کو جمع کر کے دعوت کی اور فرمایا جو ایسا ایسا ہوگا وہی میرا وزیر ہے اس وقت سوائے حضرت علیؑ کے جو اس وقت سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے لیکن عظیم روحانی قوت کے مالک تھے۔ کوئی اپنی جگہ سے نہیں اٹھا بلکہ ایک شخص نے جناب ابوطالب کو مخاطب کر کے ازراہ مذاق کہا اب تمکو اپنے بیٹے کے جھنڈے کے نیچے چلنا پڑے گا۔

جس دن حضرت علیؑ کی حکومت و ولایت کا اعلان کیا گیا ظاہری مبارکباد (بخ بخ) بلند ہوئی لیکن اسی دن سے مخالفت بھی شروع ہو گئی جو حضرت کی زندگی بھر باقی رہی۔ بلکہ مرنے کے بعد تک مترجم۔ اگر رسول خدا صرف مسائل شرعیہ میں مرجع بنا دیتے تو کسی قسم کی مخالفت نہ ہوتی لیکن چونکہ حضرت علیؑ کو منصب (جانشینی) مرحمت فرمایا گیا۔ مسلمانوں کا حاکم معین کیا گیا اس لئے یہ مخالفتیں ہوئیں۔ آپ بھی اگر آج اپنے گھر میں بیٹھ جائیے حکومت کے کاموں میں دخل نہ دیجئے تو لوگوں کو آپ سے کوئی پرخاش نہیں ہوگی۔ لوگوں کو آپ سے اس وقت اختلاف پیدا ہوگا۔ جب ملکی معاملات میں آپ دخل دینا چاہیں گے۔ حضرت علیؑ اور شیعہ چونکہ حکومتی معاملات میں دخل دیتے تھے لہذا ہمیشہ مصیبتوں میں گرفتار رہے۔ لیکن پھر بھی آپ اپنی فعالیت و جہاد سے دستبردار نہیں ہوئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج حضرت علیؑ کی تبلیغ کے طفیل

دنیا میں دو سو ملین شیعہ موجود ہیں۔

حوزہ ہائے روحانیت کی اصلاح

اسلام کی ترقی کا لازمہ یہ ہے کہ حوزہ ہائے روحانیت کی اصلاح کی جائے۔ اس ترتیب سے کہ درسی نظام اور تعلیم و تبلیغ کی روش (روتین) مکمل ہو جائیں۔ سستی، کاہلی، مایوسی نفس، عدم اعتماد کی جگہ (جدیت) کوشش امید، نفس پر اعتماد پیدا ہو جائے۔ اجنبی تبلیغات کا اثر بعضوں میں سرایت کر گیا ہے وہ ختم ہو جائے۔ مقدس نما حضرات کی جو حوزہ ہائے روحانیت کے اندر لوگوں کو اسلام اور اجتماعی اصلاحات سے روکتی ہے۔ اس کی اصلاح ہو جائے درباری ملّا جو دین کو دنیا کی خاطر بیچ ڈالتے ہیں ان کو اس لباس سے الگ کر دیا جائے۔ اور ان کو حوزہ ہائے روحانیت سے نکال دیا جائے۔

استعمار کے اخلاقی و فکری اثرات کا ختم کرنا ضروری ہے

استعمار کی طرف سے صدیوں سے زہر پھیلایا جا رہا ہے اور لوگوں کے اخلاق کو فاسد و برباد کر رہے ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ ایسے لوگوں میں سے جو حضرات حوزہ ہائے روحانیت میں آئیں گے۔ وہ طبعی طور پر برے افکار و اخلاق کو بھی اپنے ساتھ لائیں گے۔ اس قسم کی تعلیم گاہیں لوگوں اور معاشرے کا ایک جزء ہیں اس لئے افراد حوزہ کے فکری و اخلاقی اصلاح کی طرف ہمکو متوجہ ہونا چاہیئے جو فکری اور عملی اعتبار سے بیگانوں کی تبلیغ و تلقین سے

ان میں پیدا ہو گئے ہیں، ان کا ختم کرنا ضروری ہے۔

ایسے آثار کا وجود ہے۔ آپ نے بھی مشاہدہ کیا ہوگا۔ مثلاً بعضوں کو دیکھتے ہیں کہ درسوں میں بیٹھ کر ایک دوسرے کے کان میں کہتے ہیں۔ کہ یہ کام تو ہمارے بس کا نہیں ہے، ہم کو ان چیزوں سے کیا کام؟ ہمکو دعا کرنا چاہئے اور اختلاف ر[فع] کرنا چاہئے۔ یہ افکار بیگانوں کی تبلیغ و تلقین سے پیدا ہوئے ہیں۔ استعمار گروں کی چند صد سالہ غلط تبلیغ کا نتیجہ ہے جو بحیثیت قسم شہید کے دل کی گہرائیوں تک پہونچ چکا ہے اور اس وجہ سے کاہلی اور سستی پیدا ہوگئی ہے ان کے پاس اپنی کوئی فکر نہیں ہے۔ یہ برابر یہی فقد کرتے رہتے ہیں ہمکو ان چیزوں سے کیا واسطہ؟

یہ غلط افکار ہیں آخر اسلامی ملکوں میں حکومت کرنے والے کیا کرتے ہیں! وہ کون سا ایسا کام کرتے ہیں کہ جس کو ہم نہیں کر سکتے؟ ان میں کوئی سا ایسا ہے جس کی لیاقت عام انسانی افراد سے زیادہ ہو؟ ان میں بہت سے تو بے پڑھے لکھے ہیں حجاز کا بادشاہ کتنا پڑھا لکھا ہے اور اس نے کیا پڑھا ہے؟ رضا خان تو بالکل جاہل تھا سپاہی تو جاہل ہی ہوتے ہیں۔ تاریخ میں کبھی ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔

بہت سے خود سر و مسلط حکام معاشرہ کے ارادے سے نا تدبیر تھے علم و فضیلت سے بے بہرہ تھے۔ ہارون رشید یا دوسرے بادشاہ جو اتنی بڑی سلطنت پر حکومت کرتے تھے۔ آخر انہوں نے کیا پڑھا تھا؟ تعلیم اور فنون میں تخصیص اجرائی کاموں کے لئے ضروری ہے کہ ہم بھی ایسے اشخاص کے وجود سے فائدہ حاصل کر سکیں جو باتیں نظارت اور ملکی نظم لوگوں کے درمیان عدالت وغیرہ کے لئے لازمی ہیں۔ وہ سب فرعی ہیں جن کو فقیہ حاصل کرتا ہے آزادی ملت کی حفاظت و استقلال کے لئے جو باتیں ضروری ہیں

وہ سب فقیہ کے پاس ہوتی ہیں۔

یہ مجتہد ہی ہوتا ہے جو دوسرے کا زیر بار نہیں ہوتا اور بیگانوں کی غلط تبلیغ سے متاثر نہیں ہوتا۔ حقوق ملت، آزادی اور استقلال، وطن اسلام کی زمین کا جو جان کی بازی کر دفاع کرتا ہے۔ جو اپنے باتیں کبھی انحراف نہیں کرتا ہے وہ فقیہ ہی ہوتا ہے

آپ حضرات اپنی افسردگی کو دور کریں۔ اپنی تعلیمات کو مکمل کریں اسلام کی معرفی میں واقعی کوشش کریں اسلامی حکومت کی تشکیل کے لئے اپنے میں عزم محکم پیدا کریں اور اس راہ میں آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔

حریت پسند حضرات کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالیں اپنے پر اعتماد کیجئے۔ آپ جو یہ قدرت و جرات و تدبیر رکھتے ہیں اور آزادی استقلال ملت کے لئے کوشاں ہیں اگر آپ نے اپنے جیسے لوگوں کو بیدار کیا اور استعمار اور استبداد کے قصر کو رو بہ انہدام کر دیا تو روز بروز آپ کا تجربہ زیادہ ہوگا۔ آپکی تدبیر و لیاقت اجتماعی کاموں میں زیادہ ہوگی۔ جب آپ امور مملکت پر قادر ہو جائیں کہ حاکم ہو کر دستر نگوں کریں تو گویا آپ نے عہدہ حکومت و رہبری کو پیدا کیا۔ اگر ملکی انتظام کے لئے مالیات اور درآمد کی ضرورت ہے تو اسلام نے اس کو بیان کر دیا ہے۔ اگر آپ کو قانون کی ضرورت ہے تو اسلام پہلے ہی قانون بنا چکا ہے۔

اسلامی حکومت کی تشکیل کے بعد آپ کو قانون وضع کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ بیگانہ پرست حکام کی طرح دوسروں سے قانون مانگنے کی ضرورت ہے ساری چیزیں مہیا اور تیار ہیں۔ صرف تشکیل وزارت کا کام باقی رہ جاتا ہے۔ اسے آپ اس فن کے متخصص کی مدد سے معین کر سکتے ہیں۔

خوش قسمتی سے مملکت آپ کی تابع ہیں۔ آپ کے پاس جس چیز کی کمی ہے وہ ہمت اور اسلحہ ہیں۔ انشاء اللہ اسے بھی ہم حاصل کر سکیں گے۔ ہمیں عصاء موسیٰ اور ہمت موسیٰ کی ضرورت ہے ہمیں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جن کے پاس جناب موسیٰ کا عصا اور علی ابن ابی طالب ع کی تلوار ہو۔ ہاں دینی درس گاہوں میں ایسے بیکار قسم کے لوگ بھی ہیں۔ جو تشکیل حکومت کا کام نہیں کر سکتے۔ وہ اتنے ناکارہ ہیں کہ قلم کو جنبش بھی نہیں دے سکتے اور نہ اسلام کی راہ میں کوئی قدم اٹھا سکتے ہیں۔ انگریزوں نے ہمارے کان میں یہ کہہ دیا ہے کہ مولانا آپ اپنے کام سے کام رکھئے درس و تدریس میں مشغول رہئے آپ کو ان چیزوں سے کیا مطلب یہ آپ کے بس کا روگ نہیں ہے اور ہم کو بھی یہ یقین آ گیا ہے کہ ہم سے کچھ نہیں ہو سکتا اب تو ہمارا یہ حال ہو گیا ہے کہ اس تبلیغ کا اثر اگر ہم لوگوں کے ذہنوں سے ہٹانا چاہیں اور ان سے کہیں کہ آپ بھی رئیس، لیڈر بن سکتے ہیں۔ آپ بھی دوسروں کی طرح ہیں آپ بھی حکومت کا ارادہ کر سکتے ہیں۔ آخر دوسروں میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں کہ جو آپ میں نہیں ہیں بس فرق ہے کہ بعض ان میں سے دوسری جگہوں پر جا کر یونیورسٹی میں یا کچھ لکھ پڑھ سکے ہیں تو ان کو کسی طرح اس کا یقین نہیں آ سکے گا۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ علم نہ حاصل کریں۔ ہم علم کے مخالف نہیں ہیں، اگر آپ چاند پر جائیں، ایٹمی اسلحہ بنائیں۔ تو ہم آپ کو اس سے نہیں روکتے لیکن ان جگہوں پر بھی آپ کی کچھ شرعی تکلیف ہے۔ آپ اسلام کو پہنچوائیں۔ اسلام کے حکومتی پیغام دنیا تک پہنچائیں ہو سکتا ہے کہ جو بادشاہان وقت ممالک اسلامی کے رئیس جمہور ہیں اس بات کی طرف متوجہ ہو جائیں کہ یہ بات صحیح ہے اور آپ کے تابع ہو جائیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ ان کے ہاتھوں سے حکومت چھین لیں۔ جو اپنے منصب کے لائق ہوں گے ان کو اس

جگہ پر برقرار رکھا جائے گا۔ اور جو نالائق ہوں گے۔ ان کو بہر حال ہٹانا پڑے گا۔

آج دنیا میں ہماری تعداد سات سو ملین ہے۔ ایک سو سترہ ملین یا اس سے زیادہ شیعہ ہیں۔ یہ سب ہمارے پیرو ہیں۔ لیکن ہم اپنی بے ہمتی کی وجہ سے ان کا فوری ارادہ نہیں کر سکتے۔ ہم کو ایسی حکومت بنانی چاہئے جو لوگوں کی نظر میں ایماندار ہو۔ لوگوں کو اس پر اطمینان ہو۔ ہم امانت دار حاکم چاہتے ہیں تاکہ وہ ایمانداری کرے اور ہر شخص قانون کی پناہ میں آسودہ خاطر ہو کر اپنے کاموں میں مشغول رہے۔

یہ لوگ مطلب ہیں کہ آپ کو ان کی فکر کرنا چاہئے۔ آپ مایوس نہ ہوں یہ خیال نہ کیجئے کہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ خدا جانتا ہے کہ آپکی لیاقت و حقیقت دوسروں سے کسی طرح کم نہیں۔ البتہ اگر لیاقت کا مطلب ظلم و آدم کشی ہے تو یہ ہمارے پاس نہیں ہے۔

جس زمانے میں۔ میں ان لوگوں کے ساتھ جو ابھی تک قید میں ہیں، قید خانے میں تھا اس وقت ایک ماتحت ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا کہ بد ذاتی و دروغ گوئی کا نام سیاست ہے۔ مکاری کا نام سیاست ہے۔ مولانا یہ چیزیں ہمارے لئے چھوڑ دیجئے اس لئے یہ بات سچی کب تھی!؟ اگر اس کا نام سیاست ہے تو یہ انہی کے لئے مخصوص ہے۔ اسلام کے پاس جو سیاست ہے مسلمانوں کے پاس جو سیاست ہونا چاہئے۔ وہ معصومین ع کی سیاست ہے ان حضرات کو ساسۃ العباد کہا گیا ہے۔ ان کی سیاست کے علاوہ اگر کوئی دوسری سیاست ہے تو وہ ہم نہیں جانتے۔ وہ چاہتا تھا کہ ہم کو غفلت میں رکھے۔ ہم سے گفتگو کرنے کے بعد اس نے اخباروں میں جا کر یہ بیان دے دیا (کہ میں نے ان سے اس بات پر مفاہمہ کر لیا ہے کہ وہ سیاست میں دخل نہیں دیں گے) ہم جب قید خانے سے چھوٹے تو ہم نے منبر پر

جاہ اسکو جھٹلایا اور کہا کہ اس نے غلط اعلان کیا ہے۔ وہ جھوٹا ہے اگر غیبن یا کوئی دوسرا اس قسم کی بات کرتا ہے تو ہم اسے باہر کر دیں گے۔

ان لوگوں نے شروع سے آپ کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ سیاست کے معنی جھوٹ بولنا ہیں تاکہ حکومتی امور سے آپ حضرات دور رہیں اور یہ لوگ اپنا کام کرتے رہیں۔ آپ بس دعاگوئی میں مشغول رہیں۔ آپ یہاں بیٹھ کر (خلد اللہ ملکہ) کہیئے۔ اور وہ اپنے حسب مرضی جو چاہیں کرتے رہیں جو بے ہودہ پن چاہیں کرتے رہیں۔ البتہ بحمد اللہ خود ان لوگوں کے پاس اتنی عقل نہیں ہے یہ تو ان کے استادوں نے یہ باتیں ان کے ذہنوں میں بٹھا رکھی ہیں تین سو سال سے زیادہ انگریزوں کا اثر و نفوذ مشرقی ممالک پر رہا اور یہ ممالک اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس بنا پر کے موجد انگریز ہیں اسکے بعد امریکہ اور دوسری استعماری حکومتیں، انگریزوں کے ساتھ مل کر اس کام کرنے میں مشترک ہو گئیں۔

ایک دن میں ہمدان میں تھا کہ ہمارا ایک طالب علم - جو مرد فاضل تھا۔ مگر بیس علماء کا آلہ دیا تھا۔ لیکن اس کے اخلاق محفوظ تھے۔ ہمارے پاس آیا اور ایک بہت بڑے کاغذ کو ہمیں دکھایا جس میں جگہ جگہ سرخ نشان لگے تھے اس نے مجھے بتایا کہ یہ سرخ نشان اس بات کی علامت ہیں کہ یہ زمین کے نیچے چھپے ہوئے خزانے ہیں۔ جس کو بیرونی ملکوں کے افراد نے کشف کیا ہے۔

دوسرے ملکوں کے جانکار افراد نے ہمارے ملک کی زمین کا مطالعہ کیا اور زمین میں چھپے ہوئے تمام خزانوں کہ کہاں پر سونا ہے کہاں تیل ہے اور کہاں دیگر معدنیات کا پتہ لگایا اور ہمارے افراد کو دیکھا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اسلام اور روحانیت ہی ایک ایسی چیز ہے جو ان کے حق مقصد میں حائل ہے انہوں نے اسلام

کی قوت کو دیکھا کہ اس نے یورپ پر تسلط قائم کر لیا تھا اور یہ سمجھ گئے کہ اسلام واقعی اس بساط کا شدید مخالف ہے نیز یہ بھی سمجھ لیا کہ علماء کو یہ اپنا پٹھو نہیں بنا سکتے اور نہ مال و دولت و اقتدار سے ان کے افکار کو بدل سکتے ہیں۔ اس لئے پہلے دن سے یہ طے کر لیا کہ اس کانٹے کو راستے سے ہٹانا ہوگا۔ اسلام کو ختم اور روحانیت کو برباد کئے ہوئے بغیر ان کے مقاصد پورے نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اپنی تبلیغات کا رخ اس طرف موڑ دیا اور اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت نظروں میں اسلام چار مسئلے سے زیادہ کچھ نہیں ہے! دوسری طرف سے ان علماء کو جو جمعیت ہائے اسلامی کے راس و رئیس تھے مہتم اور دوسرے ذرائع سے داغدار کرنا شروع کر دیا اس پروگرام کا ایک جز یہ بھی تھا کہ ایک نہایت بے آبرو استعماری قوتوں کا آلہ کار اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ نجف والا کے چند سو علماء انگریزوں کے وظیفہ خوار تھے۔ شیخ مرتضیٰ دو سال تک وظیفہ لینے کے بعد متوجہ ہو گئے تھے اس کا مدرک اسنادی ہے کہ ہندوستان میں انگلستان کی وزارت خارجہ کے ریکارڈ روم میں موجود ہیں" یہ استعماری لوگ ہیں جو ہمیں گالیاں دیتے ہیں۔ استعماری قوتوں کا جی چاہتا ہے ہر عالم کو اپنے دام میں پھنسا لیں ہر شخص سے یہ کہہ سکا کہ اس کا تو رشت کرا لیں تاکہ علماء کو لوگوں میں بدنام کیا جائے اور لوگ علماء سے بدظن ہو جائیں دوسری طرف تبلیغ و تعلیم کے ذریعے یہ کوشش رہی کہ اسلام کو مختصر کر کے متعارف کرایا جائے۔ اور لوگوں کو یہ باور کرا دیں کہ فقہاء و علمائے اسلام کے فرائض جزئی کاموں سے متعلق ہیں۔ جسکو بتادے یہ بتایا گیا ہے کہ مسئلہ گوئی کے علاوہ فقہا کا کوئی دوسرا کام نہیں ہے۔

بعض لوگوں کو اس پر یقین بھی ہو گیا۔ وہ یہ سمجھے کہ یہ تو ہماری آزادی اور تسلیم جہات کشور اسلامی کو ہمارے ہاتھ سے لینے کا پروگرام ہے۔ اور نا سمجھی ہیں وہ بھی انہیں کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ استعماری قوتوں نے یہ تبلیغ کی دین تو سیاست سے جدا چیز ہے، علماء کو اجتماعی امور میں دخل نہ دینا چاہیئے۔ علماء کا وظیفہ یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے سرنوشت، ملت اسلام کی نگہداشت کریں۔ افسوس بعضوں نے ایسی باتوں پر یقین کر لیا اور اس کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے لوگ بھی یہی کہنے لگے۔

آپ ذرا حوزہ ہائے علمیہ کو دیکھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اس قسم کی تبلیغات کا اثر یہاں بھی موجود ہے۔ مہمل، بیکار، کاہل بے ہمت قسم کے لوگ آپ کو یہاں ملیں گے جن کا کام صرف دعا کرنا اور مسئلہ گوئی ہے۔ بعض آپ ایسے افکار و روییہ سے بھی مطلع ہو جائیں گے۔ کہ یہ استعماروں کی تبلیغ کا اثر ہے۔ مثلاً گفتگو کرنا علماء کی شایان شان نہیں ہے، فقیہ و مجتہد کو گفتگو آنی ہی نہ چاہیئے اگر گفتگو جانتا بھی ہو تو فقط لا الہ الا اللہ کہتا ہو؟ اور کبھی ایک دو جملے ادا کر دے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور رسول خداؐ کی سنت کے خلاف ہے۔ خدا نے سخن گوئی بیان و تحریر کی تعریف فرمائی ہے۔ سورۂ رحمٰن میں ارشاد ہے۔

"علمه البیان" اور یہی نہیں بلکہ بیان کو عظیم نعمت شمار کیا ہے بیان تو احکام خدا کے نشر اور اسلامی عقائد و تعلیم کے پھیلانے کے لئے ہے۔ نطق و بیان ہی وہ چیز ہے جس کے ذریعہ لوگوں کو اسلام سمجھایا جا سکتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کے ذریعے ہم "یعلموا لناس" کے مصداق بن سکتے ہیں۔ رسول خداؐ اور حضرت علیؑ نے خطبے ارشاد فرمائے۔!

بناوٹی مقدسین کی اصلاح

اس قسم کے بے ہودہ اور احمقانہ خیالات رکھنے والے نا سمجھ بھی ہیں۔ استعمار گروں اور ظالم حکومتوں کی مدد کر رہے ہیں تاکہ اسلامی حکومتیں اسی طرح ہو جائیں اور اسلام کی ترقی رک جائے۔ اس قسم کے افکار ایک ایسی جماعت کے ہیں جن کو مقدسین کہا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ لوگ مقدس بنے ہیں مقدس نہیں ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ان کے خیالات کی اصلاح کریں اور اپنی تکالیف ان کو بتا دیں۔ کیونکہ یہ خیالات مانع اصلاحات ہیں اور انہوں نے ہمارے ہاتھوں کو باندھ دیا ہے۔

ایک دن میرے گھر پر ایک سیاسی مسئلہ کے لئے آقائے بروجردی آقائے حجت، آقائے صدر، آقائے خوانساری جمع تھے۔ میں نے ان حضرات سے عرض کیا: آپ ہر کام سے پہلے بناوٹی مقدسین کی تکلیف کو واضح فرمایئے ان کے ہوتے ہوئے آپ کی مثال ایسی ہے کہ دشمن نے آپ پر حملہ کیا ہے اور ایک شخص نے آپ کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے۔ یہ بناوٹی مقدسین مصالح و مفاسد کی طرف متوجہ نہیں۔ انہوں نے آپ کے ہاتھوں کو باندھ رکھا ہے۔ اگر آپ کوئی کام کرنا چاہیں۔ حکومت کرنا چاہیں پارلیمنٹ کو روکنا چاہیں یہ کام نہیں ہو سکتا تھا یہ لوگ آپ کو برباد کر دیں گے۔ ہر چیز سے پہلے آپ کو ان کی فکر کرنا چاہیئے۔

آج مسلمانوں کے معاشرے کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ بناوٹی مقدسین اسلام و مسلمین کے اثر و نفوذ کے سد راہ ہیں یہ لوگ اسلام کے نام پر اسلام کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس جماعت کی جڑیں دینی درسگاہوں میں ہیں مختلف شہروں، قم، مشہد، اور دوسری دینی درسگاہوں میں ایسے افراد

موجود ہیں۔ جو بنارئی مقدسین ہیں اور ہیں سے بنے غلط نکالکر اسلام کے نام پر معاشرہ میں پھیلاتے ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اگر کوئی مرد مجاہد پیدا ہو جائے اور اعلان کرے۔ آؤ آؤ تیار ہو جاؤ

ہم دوسروں کے جوتوں کے نیچے زندگی نہیں بسر کر سکتے انگریز و امریکہ کے اقتدار کو ختم کر دو اسرائیل کا قلع قمع کر دو۔ تو یہی جماعت اس کی مخالفت کرے گی۔

اس جماعت کو پہلے تو نصیحت کرنا چاہئیے کہ کیا آپ خطرہ محسوس کر رہے نہیں رہے ہیں؟ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں۔ اسرائیلی مسلمانوں کو مار رہے ہیں۔ قتل کر رہے ہیں۔ انگریز و امریکہ بھی ان کی مدد کر رہے ہیں اور آپ بیٹھے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ آپ کب بیدار ہوں گے لوگوں کی بدبختی کا علاج کب کریں گے؟ تنہا مباحثہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ حرمت مسئلہ کوئی درد کی دوا نہیں ہے۔ ایسے حالات ہیں کہ جب اسلام کو ختم کیا جا رہا ہے۔ آپ خاموش نہ بیٹھیں۔ اپنی حالت مثل ان علماء کی نہ کیجئے کہ وہ روح القدس و تثلیث کے بارے میں گفتگو کرتے رہے اور دشمن نے حملہ کر کے انکو گرفتار کر لیا۔ قتل کر ڈالا آپ جاگ گئے! حقائق و واقعیت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ مسائل معاشرہ پر توجہ فرمائے۔ اپنے آپکو زمانے کا ہمنوا بنا لیجئے

آپ ان جاہل کاریوں کے ساتھ تو کیا اس بات کی تمنا کر سکتے ہیں کہ ملائکہ آپ کے پیروں کے نیچے پر بچھائیں؟ کیا ملائکہ کاہلوں پر فدا ہیں۔ ملائکہ اپنے پروں کو حضرت علیؑ کے پیروں کے نیچے بچھاتے ہیں۔ کیونکہ حضرت کا وجود اسلام کے لئے مفید تھا اسلام کو بزرگ بنایا تھا۔ آپ کے ذریعے دنیا میں اسلام پھیلا۔ اور ساری دنیا میں شہرت حاصل کی۔ حضرت کی حکومت میں خوشحال آزاد پر حرکت با فضیلت معاشرہ پیدا ہو سکتا ہے یقیناً ملائکہ حضرت علیؑ کے لئے خضوع اور خشوع کرتے ہیں۔ بلکہ سب ہی آپ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ یہاں تک آپ کی عظمت کے

کے سامنے دشمن بھی سر جھکاتا ہے۔ آپ کے بے حس لوگ کا کام مسئلہ گوئی کے علاوہ کچھ نہیں پھر بھلا کون خضوع و خشوع کرے گا؟

نصیحت کے بعد بھی اگر یہ لوگ بیدار نہ ہوں، اور احساس فریضہ ان کے ذہنوں میں پیدا نہ ہو تو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا قصور غفلت کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ ان کا درد ہی دوسرا ہے پھر ان کا حساب دوسری طرح کیا جائے گا۔

دینی درسگاہوں کی طہارت

دینی درسگاہیں، تدریس، تعلیم، تبلیغ مسلمانوں کے رہبری کی جگہ ہے فقہائے عادل فقط مدرسین طلاب کی جگہ ہے امانتدار، جانشین پیغمبران کی جگہ ہے۔ ظاہر ہے کہ الہی امانت ہر ایک کو سونپی نہیں جا سکتی۔ جو شخص ایسے عظیم منصب پر فائز ہونا چاہتا ہے امور مسلمین کا والی امیر المومنینؑ کا نائب بننا چاہتا ہے اعراض، اموال و نفوس مردم، تمام حدود اور ان جیسی چیزوں میں دخل دینا چاہتا ہے اسکو منزہ ہونا چاہئیے۔ دنیا طلب نہ ہونا چاہئیے۔ جو شخص دنیا کے لئے ہاتھ پیر مارے۔ چاہے وہ ارسطو ہی ہو وہ امین اللہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس پر اطمینان کرنا چاہئیے۔ جو فقیہ دستگاہ ظلم میں وارد ہو جائے۔ ان کے احکام کی اطاعت کرے۔ ان کا حاشیہ نشین بن جائے وہ نہ تو امین ہو سکتا ہے اور نہ امانت دار ہی ہو سکتا ہے۔ خدا جانتا ہے کہ صدر اسلام سے اب تک ان علماء سوء کے ہاتھوں اسلام پر کتنی مصیبتیں نازل ہوئی ہیں ابو ہریرہؓ بھی فقہا میں سے تھے۔ لیکن خدا جانتا ہے کہ اس نے معاویہ

جیسے لوگوں کے لئے کتنی حدیثیں اس نے گھڑیں اور اسلام پر کتنی مصیبتیں ڈھائیں (کیونکہ یہ علماء سوء میں سے تھا۔ مترجم) سلاطین کے دربار میں علماء کی آمد ورفت اور درباری آدمیوں کی آمد ورفت میں فرق ہے۔ اگر عام آدمی ہے تو وہ خود فاسق ہوگا اس سے زیادہ کچھ اور نہیں! لیکن ایک فقیہ، ایک قاضی جیسے "ابوہریرہ" اور قاضی شریح قسم کے افراد حکومت کے حاشیہ نشین تھے حکومت کی عظمت بڑھاتے تھے اسلام کو داغدار کر رہے تھے۔ ایک فقیہ کا درباری بن جانے کا مطلب پوری ایک امت کا درباری بن جانا ہے۔ نہ صرف ایک عام آدمی کا درباری بن جانا ہے بلکہ آئمہ معصومین نے اسے بہت سختی کے ساتھ روکا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر تم نے ایسا نہ کیا ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی۔

فقہائے اسلام کی تکلیف و ذمہ داری دوسروں سے الگ ہے۔ ان کو تو اپنے مرتبے کا لحاظ کرتے ہوئے مباح چیزوں کو بھی چھوڑ دینا چاہیئے جن مواقع پر دوسروں کے لئے تقیہ ہے، فقہا کو وہاں پر تقیہ نہیں کرنا چاہیئے تقیہ اسلام اور مذہب کو بچانے کے لئے تھا اگر تقیہ نہ کیا جاتا تو مذہب ختم ہو جاتا تقیہ کا تعلق ہمیشہ فروعات سے ہوا کرتا ہے مثلاً وضو یوں نہیں کرنا چاہیئے لیکن اگر اصول اسلام اور حیثیت اسلام خطرہ میں پڑ جائے تو تقیہ نہیں ہے اگر ایک فقیہ کو مجبور کرکے منبر پر حکم الہیٰ کے خلاف بیان کرنے پر آمادہ کریں تو کیا وہ (التقیہ دینی و دین آبائی) کا سہارا لیکر شرع کے خلاف احکام بیان کر سکتا ہے؟ مثلاً زنا کو جائز کر سکتا ہے؟ جی نہیں! یہ تقیہ کا موقع نہیں ہے۔ اگر یہ بات مسلم ہو کہ ایک فقیہ کے درباری بن جانے سے ظلم کا رواج ہو جائے گا۔ اسلام داغدار ہو جائے گا تو اس کو درباری بننا جائز نہیں ہے۔ چاہے اسکو قتل کر دیں۔ اس کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا درباری ہونا عقل کی بنیاد پر تھا

بنیاد پر تھا۔ جیسے علی ابن یقطین کے لئے معلوم ہے کہ کیوں درباری ہو گئے تھے یا خواجہ نصیر الدین طوسی کے لئے معلوم ہے کہ ان کے درباری ہونے سے کتنا فائدہ ہوا۔ تب کوئی حرج نہیں ہے۔ ایسی صورت میں درباری بن جانا چاہیئے۔

فقہائے درباری ہونے سے پاک و منزہ ہیں۔ صدر اسلام سے اب تک ان کا موقف واضح و روشن ہے ان کا موقف نور کی طرح ہمارے سامنے چمک رہا ہے اس میں کوئی داغ نہیں ہے، فقہاء اسلام نے نہ صرف یہی نہیں کہ انکی اطاعت نہیں کی بلکہ انکی مخالفت بھی کی۔ قید کئے گئے۔ مارے گئے مگر اطاعت نہیں کی۔ ہاں اگر کنٹرول کرنے کے لئے یا انقلاب لانے کے لئے کوئی درباری ہو جائے تو کوئی بات نہیں ہے۔ اس وقت بھی اگر ایسے کاموں کے لئے ہم کو درباری ہونا پڑے گا تو واجب ہے۔ بہر حال اس وقت یہ موضوع محل بحث نہیں ہے؟ اعتراض تو ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اپنے سر پر عمامہ رکھ لیا ہے اور چند کلمہ یہاں پر اور دوسری جگہ پڑھ لیا یا نہیں پڑھا اور شکم پروری کے لئے درباری بن گئے ہم کو انکی طرف توجہ دینا ہے۔

درباری ملاؤں کو نکالو

یہ لوگ فقہاء اسلام نہیں ہیں۔ ان میں بہت سے ایسے ہیں جن کے سروں پر حکومت نے عمامہ رکھا ہے تاکہ یہ دعا گوئی کریں۔ اگر عید یا دوسرے مواقع پر حکومت آئمہ جماعت کو مجبور نہ کر سکے۔ وہ آکر نماز پڑھا دیں تو ایسے مواقع کے لئے اس قسم کے لوگوں کو بنا رکھا ہے۔ جو اسکو "جل جلالہ" کہتے ہیں۔ آخری دور میں شاہ ایران کو "جل جلالہ" کا لقب دیا گیا ہے۔

یہ لوگ فقیہ نہیں ہیں۔ ساری دنیا ان کو جانتی ہے۔ روایت میں ہے کہ ایسے لوگوں سے اپنے دین کے لئے ڈرو! یہ تمہارے دین کو برباد کردیں گے۔ ان کو ذلیل و رسوا کرنا چاہیئے تاکہ اگر آبرو مند ہوں تو ذلیل ہو جائیں لوگوں کی نظروں سے گر جائیں۔ اگر انکو مجمع عام میں نہ گرایا گیا تو یہ لوگ امام زمانہؑ کو رسوا کریں گے، اسلام کو ذلیل کریں گے۔

ہمارے نوجوانوں کو چاہیئے کہ ایسے لوگوں کے عمامے نوچ ڈالیں۔ فقہائے اسلام اور علمائے اسلام کے نام پر مسلمانوں کے معاشرے کو برباد کرنے والے ملاؤں کے سر کے عمامے نوچنا ہی چاہئیں۔ مجھے معلوم نہیں کیا ہمارے نوجوان ایران میں مر گئے ہیں؟ آخر یہ سب کہاں ہیں؟ جب ہم تھے تو یہ سب نہیں تھا؟ آخر ان کے عمامے اب تک سروں پر کیسے باقی ہیں؟ میں یہ نہیں کہتا کہ انکو قتل کرو یہ گردن زدنی کے قابل نہیں ہیں مگر عمامہ ان کے سروں پر نہ ہونا چاہیئے لوگوں کا فرض ہے، جوانوں پر واجب ہے کہ اس قسم کے ملاؤں کو "جل جلالہٗ" کہنے والے معممین کو مسجدوں میں نہ آنے دیں، لوگوں میں عمامہ پہن کر نہ آنے دیں۔ ان کی بہت پٹائی بھی ضروری نہیں ہے۔ لیکن ان کے سروں سے عمامہ کا اترنا بہت ضروری ہے۔ یہ شریف لباس ہے، یہ کسی دناکس کے جسم پر نہ ہونا چاہیئے پہلے بھی عرض کر چکا کہ علمائے اسلام ان باتوں سے علیحدہ ہیں۔ وہ حضرات نہ پہلے درباری تھے اور نہ اب ہیں۔ دربار داری کرنے والے معدودے چند ہیں۔ جنھوں نے اپنے علماء کی صورت میں ظاہر کیا ہے۔ ان کا حساب ہی دوسرا ہے لوگ انکو خوب پہچانتے ہیں۔

ہمارے فرائض بھی بہت مشکل ہیں۔ ہم سب پر لازم ہے کہ روحانی لحاظ سے طرز زندگی کے لحاظ سے اپنے کو کامل سے کامل تر کریں۔ سب سے زیادہ پارسا بن جائیں۔ مال دنیا سے روگرداں ہو جائیں۔ آپ حضرات روحانیوں سے خطاب!

اپنے کو امانت الٰہی کی حفاظت کے لئے آمادہ کیجئے۔ امین بنئے۔ دنیا کو اپنی نظروں سے گرا دیجئے۔ آپ یقیناً حضرت علیؑ کی طرح نہیں ہو سکتے جن کی نظروں میں دنیا بکری کی ناک سے نکلنے والی کثافت سے بھی زیادہ کم قیمت تھی لیکن دنیاوی باتوں سے تو پرہیز کیجئے۔ اپنے نفوس کو پاکیزگی عطا کیجئے، خدا کی طرف متوجہ ہوجیئے اور متقی ہو جائیے اگر خدانخواستہ درس پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ با عزت ہو جائیے تو نہ فقیہ ہو سکیں گے اور نہ امین اسلام۔ اپنے کو ایسا تیار کیجئے کہ اسلام کے لئے مفید ہو سکئے۔ امام زمانہؑ کے لشکر میں شامل ہو سکے۔ اسلام کی خدمت اور صداقت کو بسط و نشر کر سکے، افراد صالح معاشرہ میں ایسے ہوتے ہیں کہ خود ان کا وجود معاشرہ کے لئے مفید ہے۔ ہم نے ایسے اشخاص دیکھے ہیں۔ ان کے ساتھ چلنے اور معاشرت کرنے سے انسان خود بھی صالح ہو جاتا ہے۔ آپ ایسا کام کیجئے جس سے صد ہا مردوں کی اصلاح ہو سکے۔ لوگ آپ کی اقتدا کریں، آپ مقتدی الامام ہو جائیں، جند اللہ خدا کے سپاہی بن جائیں اور اسلام کا تعارف کرائیں، حکومت اسلامی کا تعارف کرائیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تعلیم چھوڑ دیجئے۔ تعلیم تو بہت ضروری ہے فقیہ بنئے۔ فقاہت میں کوشش کیجئے، دینی درسگاہوں میں فقیہ کو باقی رکھئے۔ جب تک آپ فقیہ نہ ہوں گے۔ اسلام کی خدمت نہ کر سکیں گے لیکن تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلام کی معرفی کی بھی فکر کیجئے۔ فعلاً اسلام غریب ہے، کوئی اسکو نہیں پہچانتا لیکن آپ پر واجب ہے کہ اسلام و احکام کو لوگوں تک پہنچائیے تاکہ لوگ جانیں کہ اسلام کیا ہے۔؟ اسلامی حکومت کیا ہے۔ ہم رسالت و امامت کیا ہے۔ اسلام کیوں آیا ہے۔ اور کیا چاہتا ہے! رفتہ رفتہ اسلام کو لوگ پہچان لیں گے اور اسلامی حکومت بن سکیگی۔

ظالم حکومتوں کا تختہ الٹ دو

(۱) ان کے موسسات وادارہ سے قطع تعلق کیجیے۔ (۲) ان کا ساتھ نہ دیجیے (۳) جس کام سے ان کی اعانت ہوتی ہے۔ وہ کام نہ کیجیے (۴) جدید موسسات تعاونی، مالی، اقتصادی، فرہنگی اور سیاسی تشکیل دیجیے۔ طاغوتی حکومتوں کا تختہ الٹنا ہمارا فریضہ ہے۔ ان حکومتوں کو ہٹا کر ایسی حکومت لائیے جو قانون شریعت کے موافق عمل کرے اور رفتہ رفتہ حکومت اسلامی کی تشکیل ہو جائے قرآن نے طاغوتی طاقتوں کی اطاعت سے روکا ہے لوگوں کو ظالم حکومتوں کے خلاف آمادہ کیا ہے۔ موسیٰ کو فرعون کے خلاف اقدام کرنے پر ابھارا ہے ایسی بہت سی روایات ہیں جن میں ظالمین اور دین میں تصرف کرنے والے افراد کے خلاف تشویش دلائی گئی ہے۔ آئمہ معصومینؑ اور ان کے ماننے والے شیعہ باطل حکومتوں سے برسر پیکار رہے۔ آئمہ کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے سے باقاعدہ یہ بات واضح روشن ہو جاتی ہے بیشتر اوقات حکام ظلم و جور کے پنجوں میں گرفتار رہے خوف و تقیہ کی زندگی بسر کرتے رہے لیکن خوف مذہب کا نہیں تھا۔ اپنی جان کے خوف سے تقیہ نہیں کرتے تھے یہ بات بخوبی معلوم ہو سکتی ہے خود حکام جور آئمہؑ معصومین سے خوفزدہ رہتے تھے۔ یہ لوگ، حکام جور، جانتے تھے کہ اگر آئمہ کو فرصت مل گئی تو یہ حضرات ہمارے خلاف اقدام کریں گے، ہمارے عشرت زدہ اور ہوس بازی کی زندگی کو ہم پر حرام کر دیں گے۔ آپ نے دیکھا ہے کہ ہارون نے حضرت موسیٰ ابن جعفرؑ کو برسوں قید خانے میں رکھا یا مامون رشید نے امام رضاؑ کو لے جا کر اپنی حفاظت میں رکھا آخر میں زہر دے دیا یہ اس وجہ سے نہیں تھا کہ یہ

امام موسیٰ وامام رضاؑ ـ اولاد پیغمبرؐ ہیں۔ اور یہ ـ ہارون و مامون ـ پیغمبرؐ کے مخالف ہیں، کیونکہ یہ دونوں ـ ہارون و مامون ـ شیعہ تھے۔ بلکہ یہ مخالف تو صرف اس وجہ سے تھے کہ الملک عقیم "ملک بانجھ ہوتا ہے" اور یہ لوگ جانتے تھے کہ اولاد علیؑ خلافت کے طالب ہیں۔ اسلامی حکومت کی تشکیل پر اصرار رکھتے ہیں یہ حکومت وخلافت کو ناحق سمجھتے ہیں جیسا کہ بنا بر روایت اس واقعہ سے واضح ہے جب مامون نے امام رضاؑ سے کہا حدود فدک بیان فرمایئے تاکہ آپ کو واپس کر دیا جائے اور امام رضاؑ نے اسلامی ممالک کی تعیین فرمائی کہ یہاں تک حد ہے ہمارا حق ہے اس پر ہماری حکومت ہونا چاہیے۔ تم غاصب ہو۔ تو مامون نے دینے سے یہ کہکر انکار کر دیا کہ پھر ہمارے پاس کیا رہ جائے گا۔

حکام جور جانتے تھے کہ اگر امام موسیٰ ابن جعفر کو آزاد کر دیا جائے تو ان لوگوں پر زندگی حرام کر دیں گے اور بہت ممکن ہے کہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں جس سے امام موسیٰؑ حکومت کا تختہ الٹ دیں اس لئے انکو موقع ہی نہیں دیا گیا اور اس میں شک بھی نہیں ہے کہ اگر امام موسیٰؑ کو مہلت دی گئی ہوتی تو حضرت ان کے خلاف قیام کرتے۔ آپ اس میں شک نہ کیجیے کہ اگر امام موسیٰؑ کو فرصت ملتی تو غاصب بادشاہوں کا تختہ پلٹ دیتے۔

اسی طرح مامون بھی امام رضاؑ کو "یا ابن عم" یا ابن رسول اللہ کہنے کے باوجود ہر وقت حضرت پر کڑی نظر رکھتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ حضرتؑ قیام کرکے ہماری حکومت کا تختہ پلٹ دیں۔ کیونکہ بہرحال پیغمبرؐ میں ان کے حق میں وصیت موجود ہے اسی لئے حضرتؑ کو مدینے میں بھی نہیں رکھا حکام جابر سلطنت و حکومت کے خواہشمند تھے۔ ہر چیز کو سلطنت پر فدا کرنے کے

(۱) ہارون پکا دشمن اہل بیتؑ تھا۔ مامون کی بھی شخصیت ثابت نہیں ہے۔

برتاؤ تھے۔ انکو کسی سے ذاتی عداوت و دشمنی نہیں تھی چنانچہ روایت میں ہے کہ جب حضرت ؑ ہارون کے پاس آئے تو اس نے حکم دیا کہ حضرت ؑ کو مسند تک سوار آنے دو اور بہت احترام کیا اور جب سہم بیت المال کی تقسیم کا وقت آیا تو بنی ہاشم کے لیے بہت ہی مختصر رقم معین کی گئی۔ مامون اس وقت موجود تھا۔ اس نے سوچا کہاں یہ تعظیم و احترام اور کہاں یہ حصہ! اسکو بہت تعجب ہوا۔ تو ہارون نے کہا کہ تمہاری سمجھ میں یہ بات ابھی نہیں آئے گی۔ بنی ہاشم کو ہمیشہ یوں ہی رکھنا چاہیے انکو ہمیشہ فقیر رکھنا چاہیئے۔ قیدی بنانا چاہیئے۔ ملک بدر کرنا چاہیئے۔ رنجیدہ و غمگین رکھنا چاہیئے۔ زہر دینا چاہیئے، قتل کرنا چاہیئے۔ ورنہ یہ ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور ہمارے لئے زندگی تلخ کر دیں گے۔

خود آئمہ معصومین نے جابر و ظالم حکومتوں سے نہ صرف مبارزہ کیا ہے بلکہ مسلمانوں کو اُن کے خلاف جہاد کی دعوت دی ہے۔ پچاس سے زیادہ ایسی روایات وسائل الشیعہ مستدرک اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں جن میں ظالم حکومتوں سے کنارہ کش رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ انکی مدح کرنے والوں کے منہ میں خاک ڈالو جو بھی ایک مد سے انکی مدد کرے۔ یا انکی دوات میں پانی ڈالے۔ وہ ایسا ہے اور ویسا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ معصوم ؑ نے حکم دیا ہے کہ ان سے کسی قسم کے روابط نہ رکھو اور ان کا ساتھ نہ دو۔

دوسری طرف وہ تمام روایات جن میں عالم و فقیہ عادل کی تعریف و فضیلت بیان کی گئی ہے یہ سب ایک بنیاد گزاری کی منزل میں ہیں اور ان سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام اسلامی حکومت کی تشکیل کے لئے آیا ہے۔ اسلام اس لئے آیا ہے کہ ظالموں کو حکومت سے ملت سے منحرف کرے۔ خانۂ ظلم کو ویران کر دے

۱؎ پیمانہ